

برٹولٹ بریخت

ملحد کا ادور کوٹ

ترجمہ: ڈاکٹر مبارک علی

ملحد کا اوور کوٹ

برٹولٹ بریخت

ترجمہ: ڈاکٹر مبارک علی

pdf by LEUM STELLER

تاریخ پبلیکیشنز

بک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، پاکستان

e-mail: tarikh.publishers@gmail.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	ملحد کا ادور کوٹ
ترجمہ	:	ڈاکٹر مبارک علی
اہتمام	:	ظہور احمد خاں
پبلشرز	:	تاریخ نبلی کیشنز لاہور
کمپوزنگ	:	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرینٹرز	:	سید محمد شاہ پرینٹرز، لاہور
سرورق	:	ریاض ظہور
اشاعت	:	2013ء
قیمت	:	200/- روپے

تقسیم کنندہ:

فکشن ہاؤس: پک سٹریٹ 39- مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-37249218-37237430

فکشن ہاؤس: 52، 53 راجہ سکواڑ حیدر چوک حیدر آباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوٹیشن سٹریٹ فرسٹ فلور دوکان نمبر 15 اردو بازار کراچی، فون: 021-32803056

فکشن ہاؤس

• لاہور • حیدر آباد • کراچی

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

فہرست

۵	تعارف	
۱۱	۱- سچ کہنے کی پانچ مشکلات	
۱۹	۲- لفظ	
۲۰	۳- تاریخ کے سوالات	
۲۲	۴- میرا بھائی ایک پائلٹ تھا	
۲۳	۵- دو سالہ عورت	
۲۹	۶- طہر کا اور کوٹ	
۳۹	۷- انسانی مجسمہ	
۴۱	۸- تجربہ	
۵۳	۹- کے کی کمائیاں	
۵۹	۱۰- جنگ بھٹان	
۶۰	۱۱- جرمن میوزیم کی ایک مختصر سیر	
۶۲	۱۲- فقیر اور مردہ کتا	
۷۱	۱۳- فن اور سیاست	
۷۳	۱۴- عورت اور ہندو	

تعارف

برٹولٹ بریخت 10 فروری 1898ء میں آؤس برگ میں پیدا ہوا۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب جرمنی کو متحد ہوئے 27 سال ہوئے تھے اور اس عرصہ میں اس کی آبادی 61 سے بڑھ کر 68 ملین ہو گئی تھی۔ نہ صرف آبادی کی وجہ سے بلکہ سیاسی و معاشی و سماجی حالات نے بھی جرمن معاشرہ میں انقلابی تبدیلیاں کر دیں تھیں۔ اب تک وہ معاشرہ کہ جس کی بنیاد زراعت پر تھی، اب کسانوں اور دست کاروں کی جگہ، سائنس دانوں اور فنی ماہرین نے لے لی تھی۔ انہوں نے جرمن معاشرے کو صنعتی بنا دیا تھا۔ صنعت و حرفت کی ترقی نے رہات کی اہمیت کاکمزور کر دیا اور کھیت مزدوروں نے شہروں کی طرف رخ کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے ان کی آبادی میں بے تحاشا اضافہ ہو گیا، اس کے ساتھ صنعتکار و مزدور اور ریاست و عوام کے تعلقات میں بھی تبدیلی آئی شروع ہو گئی۔ سرمایہ داری کی بنیادیں مضبوط ہوئیں تو اس نے قوم پرستی کو فروغ دیا۔ اور قوم پرستی نے جرمن قوم کی امنگوں کو آگے بڑھایا۔ یہی وہ حالات تھے کہ جن میں جنگ ناگزیر بن گئی۔ تاکہ اس کے ذریعے سے جرمن قوم عظمت و بڑائی کو حاصل کر سکے۔

برٹولٹ بریخت نے جرمنی کی اس بدلتی ہوئی صورت حال میں آنکھیں کھولیں۔ میوک یونیورسٹی میں اس نے ہیڈیسٹن اور سائنس کی تعلیم حاصل کی اور پہلی جنگ عظیم کے موقع پر میڈیکل سروس میں خدمات سرانجام دیتے ہوئے اس نے جنگ کی ہولناکیوں کو دیکھا۔ ہسپتالوں میں میدان جنگ میں زخمی ہونے والے فوجیوں کی اہمیت اور قربانی نے اس سوال کو ذہن میں پیدا کیا کہ یہ سب کچھ کیوں؟ کس لئے؟ اور کس کے واسطے؟ پہلی جنگ عظیم کے بعد جرمنی کو شکست کے المیہ سے گزرنا پڑا۔ اس جنگ میں جرمنی نے وہ سب کچھ کھو دیا کہ جو اس نے جرمنی کے اتحاد کے بعد سے حاصل کیا تھا۔ یہ

نہ صرف فوجی شکست تھی بلکہ معاشی اور سماجی بد حالی تھی کہ جس نے ہر فرد کو مجبور کیا کہ وہ جنگ کی قیمت ادا کرے۔ معاشرے کی اس ٹوٹ پھوٹ اور عدم انتظام کا نتیجہ تھا کہ جرمنی میں نازی جماعت کا عروج ہوا۔ ہٹلر کی سیاسی کامیابی میں نہ صرف جرمنی کے صنعتکار و سرمایہ دار شریک تھے بلکہ اسے یورپی اور امریکی سرمایہ داروں کی بھی حمایت حاصل تھی۔ یورپ اور امریکہ ہٹلر کو جرمنی کو طاقتور بنا کر اسے روس سے لڑانا چاہتے تھے۔ اس لئے انہوں نے ہٹلر کی ایترائی جارحانہ سرگرمیوں کو قبول کر لیا۔ انہوں نے ہٹلر کے خلاف اس وقت جنگ لڑی جب خود ان کا وجود خطرے میں پڑ گیا۔

جب جرمنی میں ہٹلر کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے ریاست کا درجہ گھٹا کر نازی پارٹی کو ملک کا سب سے مضبوط ادارہ بنا دیا۔ اب پارٹی کا مقصد ریاست کی خدمت کرنا نہیں بلکہ ریاست کا حکم تھا کہ وہ پارٹی کے مفاد کے لئے کام کرے۔ لہذا پارٹی کے نظریات اور مفادات کی خلاف ورزی غداری کے مترادف تھی۔ ہٹلر نے پارٹی کو مقبول عام بنانے اور لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے جو طریقے اپنائے ان میں جلسے و جلوس، 'لوچوان' عورتوں اور بچوں کی جماعتیں، یونیفارم، موسیقی، سمیت اور جو شبلی تقاریر تھیں کہ جنہوں نے پوری جرمن قوم میں قوم پرستی اور شخصیت پرستی کے جذبات کو ابھارا۔ ہٹلر ایک ایسی بھرپور شخصیت کے روپ میں ابھرا کہ جو جرمن قوم کا نجات دہندہ اور مسیحا تھا۔ نازی پارٹی نے پروپیگنڈے کے نئے طریقوں کو اپنایا۔ ایک طرف بیانات اور دلائل نے پوری قوم کی سوچ کو ایک ہی دھارے پر ڈال دیا۔

ایک مرتبہ جب مخالفین غدار اور جرمن قوم کے دشمن بن گئے تو پھر انہیں جیلوں میں ڈالنا لازمت دینا اور قتل کرنا سب جائز ہو گیا۔ خاص طور سے نازی پارٹی کا نشانہ وہ دانشور جنہوں نے پارٹی کے اغراض و مقاصد سے انحراف کیا۔ وہ دانشور کہ جو خاموش رہے یا جنہوں نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا انہیں پارٹی نے باقی رہنے دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ منحرف دانشوروں کو جرمنی چھوڑ کر دوسرے ملکوں میں پناہ لینی پڑی۔ اس وسیع پیمانہ پر ہجرت کی وجہ سے جرمنی کے سماجی و ثقافتی ادارے اور یونیورسٹیاں بھر ہو گئیں۔ علم و ادب کا ایک ہی مقصد رہ گیا کہ پارٹی کے مفادات کے لئے کام کیا جائے۔

نازی پارٹی کے اقتدار کے زمانہ میں بریخت کو بھی جرمنی چھوڑنا پڑا، کیونکہ نہ

صرف یہ کہ اس کی کتابوں پر پابندی لگا دی گئی تھی بلکہ اس کے لئے ناممکن ہو گیا تھا کہ وہ آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کر سکے۔ جلا وطنی کا زمانہ اس نے آسٹریا، ڈنمارک، سویڈن، فن لینڈ، امریکہ اور سوئزر لینڈ میں گزارا۔ جلا وطنی کے اس پورے عرصہ میں وہ اپنی تحریر و تقریر کے ذریعہ نازی ازم اور فاشزم کے خلاف لڑتا رہا۔

جنگ کے خاتمہ کے بعد اسے اتحادیوں کی جانب سے مغربی جرمنی نہیں آنے دیا، اس لئے وہ مشرقی جرمنی میں رہا۔ جنگ کے بعد اس کی تمام مصروفیات جھپٹ کر لئے گئیں۔ ۱۴ اگست ۱۹۵۵ء کو اس نے وفات پائی۔

برینخت ڈرامہ نگار، کہانی نویس، مضمون نگار اور شاعر کی حیثیت سے مشہور ہے۔ اس نے اپنی تحریروں کے ذریعے مظلوم اور کچلے ہوئے عوام میں شعور پیدا کیا اور ادب کو عوام کے مفادات کے لئے استعمال کیا۔ اس کی وہ تمام تحریروں جو فاشزم کے خلاف ہیں۔ ان میں وہ شخصیت پرستی کی مخالفت کرتا ہے۔ جن معاشروں میں شخصیتیں چھا جاتی ہیں وہاں لوگوں کی تخلیقی صلاحیتیں دب جاتی ہیں۔ جس طرح ایک چھاؤں دار درخت کے نیچے اور کوئی پودہ یا درخت سرسبز نہیں رہتا، یہی صورت حال عظیم شخصیتوں کی تشکیل سے ہوتی ہے۔ اپنے مشہور ڈرامے گلیلیو اس نے خاص طور سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ شخصیتیں قوم کو پس ماندگی کی طرف لے جاتی ہیں۔

برینخت کے سامنے ہٹلر کی شخصیت بھی تھی کہ جس نے اپنے زور بیان اور شخصیت کے اثر سے پوری جرمن قوم کے ذہنوں پر قبضہ جما لیا تھا اور لوگ جذبات میں مدہوش اس کی تقلید کر رہے تھے۔ شخصیت پرستی ہی کی وجہ سے مخالفت اور اظہار رائے پر پابندی ہو جاتی ہے۔ یہی وہ حالات تھے کہ جن میں برینخت اس بات پر زور دیتا ہے کہ دانشوروں کو پارٹی و ریاست کے جبرے لڑنا چاہئے۔ ارد گرد پابندیاں ہوں تو ان کے خلاف نئے راستے تلاش کرنا چاہئیں۔

وہ غیر جانبدارانہ رویہ کے بھی خلاف ہے، کیونکہ یہ رویہ ریاستی جبر کو تقویت دیتا ہے۔ اس لئے ریاستی جبر و تشدد کے خلاف مزاحمت ضروری ہے۔ اس کے بغیر معاشرے کے جہد کو نہیں توڑا جاسکتا۔

برینخت نے جو کچھ لکھا اس کے پس منظر میں جرمنی کے حالات تھے۔ مگر ایسے تمام

معاشرہ میں کہ جہاں فاشزم کی روایات ہوں اور جہاں ایک نظریہ کی حکمرانی ہو وہاں برہنہ کی تحریریں پراثر ہو جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں برہنہ متبادل عام شخصیت کے طور پر ابھرا۔ خصوصیت سے اس کے ذرائع جنہوں نے کسی نہ کسی شکل میں پاکستانی معاشرے کی عکاسی کی۔ کیونکہ پاکستانی معاشرہ بھی ابتداء ہی سے جمہوری مابذول اور یوروکریسی کے چنگل سے نکل کر فنی آمریت کی گرفت میں آگیا تھا۔ لیکن جب یہاں جمہوری حکومتیں قائم بھی ہوئیں تو انہوں نے فاشزم کے انہیں ہتھکنڈوں کو استعمال کیا کہ فنی آمریوں کے محبوب ہتھیار تھے۔ مثلاً "شخصیت پرستی" اظہار رائے پر پابندی، روایتی پروپیگنڈہ اور مخالفین کو غدار بنانے کا کام جمہوری ادوار میں بھی ہوتا رہا۔

اس وقت پاکستانی معاشرہ جس صورت حال سے دوچار ہے وہ یہ کہ روایتی پروپیگنڈہ اور ذرائع ابلاغ عامہ نے ایک نظریاتی سچائی کو قائم کر دیا ہے۔ جب بھی کسی معاشرے میں صرف ایک سچائی ہو تو اس صورت میں دوسری سچائیوں کو تلاش کرنے کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں۔ ایک سچائی ہمیشہ کے لئے نہیں ہوتی ہے یہ وقت و حالات میں بدلتی رہتی ہے، لہذا ذہنی انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ سچائیوں کی جستجو جاری رہے۔ صرف ایک سچائی کا غلبہ معاشرہ کو ایک جگہ جما دیتا ہے اور اس کی وجہ سے تمام عقلی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس کے بعد ہمارے ہاں روایات کے تحفظ پر زور دیا جاتا ہے بغیر یہ سوچے ہوئے کہ روایات قطعی مقدس نہیں ہوتی ہیں۔ کہ اگر روایات کو محفوظ کر لیا جائے تو اس کے ساتھ معاشرے کی حرکت بھی رک جائے گی۔ کیونکہ یہ روایات ہر جدید چیز کی مخالفت کریں گی اور معاشرے کو آگے بڑھنے سے روکیں گی۔ اس وقت ہمارے ہاں روایات کے تحفظ کا مطلب یہ ہے کہ جاگیردارانہ قدروں کو باقی رکھا جائے اور ہر اس نئی چیز کی مخالفت کی جائے کہ جس سے ان قدروں کو خطرہ ہو۔

جب معاشرہ ایک ہی جگہ باقی رہتا ہے تو اس میں حکمران طبقے بھی نہیں بدلتے ہیں۔ یہ مرامات یافتہ طبقہ قدیم روایات کے سمارے خود کو مستحکم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے جو بھی اس نظام کے خلاف بات کرتا ہے تو وہ ان کے نزدیک غداروں کے مترادف ہو جاتا ہے۔ اس لئے مخالفت کو ختم کرنے کے لئے ان کے پاس ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔

ہے تشدد کل چونکہ مخالف، دشمن اور غدار ہے۔ اس لئے اسے سختی کے ساتھ پکڑ کر تباہ و برباد کر دیا جائے یا اسے اس حالت میں لے آیا جائے کہ جہاں وہ ان کی مرضی کے مطابق رہنے پر آمادہ ہو جائے۔

پاکستان میں یہ امید کی جاتی تھی کہ جب جمہوریت آئے گی تو وہ آمرانہ حکومت کی نشانیوں کو ہٹا کر جمہوری اداروں کو مضبوط کرے گی۔ مگر ہوا یہ کہ ان جمہوری حکومتوں نے نہ صرف آمرانہ نشانیوں اور علامتوں کو باقی رکھا بلکہ انہیں اپنے مفادات کے لئے استعمال بھی کیا۔ شخصیت پرستی نے خوشامدیوں اور چالوسی درباریوں کو پیدا کیا۔ اظہار رائے اور تنقید پر پابندیاں لگیں۔ مخالفوں کو غدار کہا گیا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دانشوروں کو خرید لیا گیا اور انہیں پارٹی اور شخصیت کا بیج بنانے کے لئے استعمال کیا گیا۔ فاشزم کی پارٹی اور پارٹی کی لیڈر شپ ریاست سے بڑھ گئی۔ ایک مرتبہ جب ریاست کمزور ہو گئی تو پھر اس کے تمام ادارے پارٹی کی ذاتی ملکیت بن گئے۔ اس طرح ہمارے ہاں جمہوریت نے بھی فاشزم کی صورت اختیار کر لی۔

ہمارا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے کہ جہاں دکھ، تکلیف، لذت اور محرومی ہر ایک کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ ہم دکھ کا بوجھ اٹھاتے اٹھاتے تھک چکے ہیں۔ اس لئے اگر سمجھوتہ کے بعد ہمارے سامنے آسائشیں اور سہولتیں آئیں تو ان سے انکار مشکل ہو جاتا ہے۔ یہی کچھ حال ہمارے دانشوروں کا ہے کہ جو سمجھوتہ کر کے اپنے دکھوں اور اپنی محرومیوں کا علاج ڈھونڈ لیتے ہیں۔ خاص طور سے اگر حکومت پر جمہوریت کا ٹپ ہو تو سمجھوتہ کرنے میں اور آسانی ہو جاتی ہے۔ جب دانشور معاشرے کے مفادات سے منہ موڑ کر اپنے مفادات کو ترجیح دینے لگیں تو پھر معاشرے سے علم و ادب کی عزت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ یہی وہ صورت حال ہے کہ جس سے آج ہم دوچار ہیں۔



سچ کہنے کی پانچ مشکلات

آج کے زمانہ میں اگر کوئی جھوٹ اور جرات کے خلاف جہاد کرنا چاہتا ہے اور سچ لکھنا چاہتا ہے تو اسے کم از کم پانچ مشکلات پر قابو پانا پڑے گا۔ اس کے لئے لازمی ہو گا کہ جرات مند ہو تاکہ سچ لکھ سکے اور کسی کے دباؤ میں نہیں آئے۔ ہوشیار ہو تاکہ اپنی بات غلطسورٹی سے کہہ سکے، 'فن میں ماہر ہو' اپنے فیصلہ کا اظہار اس طرح کرے کہ جو موثر ہو، اس میں چالاک بھی ہو کہ سچ بھی کہے اور پکڑا بھی نہ جاسکے۔ سچ کہنے کی یہ پانچ مشکلات فاشٹ حکومتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہیں، خاص طور سے ان کے لئے جو ان حکومتوں کے اندر رہتے ہیں، حالانکہ جو جلاوطن ہیں۔ یا ملک سے بھاگے ہوئے ہیں، انہیں بھی ان مشکلات سے سہاگہ پڑنا ہے، بلکہ وہ لوگ بھی اس سے دوچار ہوتے ہیں۔ جو کہ نام نہاد بورژوا و آزادی والے ملکوں میں رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جو شخص سچائی لکھنا چاہتا ہے وہ نہ تو کسی کے دباؤ میں آنا پسند کرتا ہے اور نہ ہی خاموش رہتا اور نہ ہی وہ جھوٹ بات کہنا چاہتا ہے اس لئے سچ کہنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ نہ سوچے کہ اپنے سچ سے صرف طاقتور کو جھکائے، بلکہ یہ سوچے کہ اپنے عمل سے کمزور کو دھوکہ نہ دے۔ اس طرح جرات کے ساتھ نچلے طبقوں کی بات کرے اور ان کی محرومیوں کو سامنے لے کر آئے۔ مثلاً جب کسان مشکلات میں گھرا ہوا ہو تو اس کی مشکلوں کے حل کی بات کی جائے مہینوں اور سستے کھاد کے بارے میں اسے بتایا جائے اور اسے مستقبل کی تپ ناک کے بارے میں مشورہ دیا جائے۔

یا جب یہ کہا جائے کہ ایک غیر تعلیم یافتہ آدمی تعلیم یافتہ سے بہتر ہے تو اس وقت جرات سے یہ سوال پوچھا جائے کہ وہ کس کے لئے بہتر ہے؟ ہمارے معاشرے میں لوگ عمومی انصاف اور عمومی آزادی کی بات کرتے ہیں کہ جس کے لئے انہوں نے خود کچھ نہیں

کہ وہ سچائی صرف اس کو جانتے ہیں، جو چیز انہیں اچھی اور خوش نما لگتی ہو۔ حالانکہ سچائی کوئی شمار کرنے والی، خشک اور واقعاتی نہیں ہوتی ہے۔ ان کے ساتھ المیہ یہ ہے کہ یہ نہیں جانتے کہ اصل سچائی کیا ہوتی ہے سچائی جرات اور مطالعہ مانجھتی ہے، محض دکھلوے کی باتوں سے سچائی تک نہیں پہنچا جاسکتا ہے۔

سچائی کو لکھنے کے لئے صرف جرات ہی کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے علاوہ ایک اور چیز جو بہت ضروری ہے وہ یہ کہ سچائی کو کسی طرح سے تلاش کیا جائے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ سچائی کو پانا کوئی سہل کام نہیں ہے۔ دوسرے یہ بھی کوئی آسان بات نہیں کہ اس بات کا فیصلہ کیا جائے کہ کون سا سچ ایسا ہے جس کو بیان کیا جائے، اور جس کے بیان کرنے سے کچھ فائدہ ہو گا مثلاً یہ تو سب کو معلوم ہے کہ کس طرح دنیا کی بڑی بڑی مذہب راسخین وحشی قبیلوں کے سامنے نہیں ٹھہر سکیں اور ختم ہو گئیں، اور یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ خاندان جنگی جو ملک ہتھیاروں سے لڑی جاتی ہے اپنے پیچھے انتشار اور لاتعداد ماساکن چھوڑ جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سچائی ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی اور سچائیاں ہیں مثلاً یہ کہ کرسی کی سب سے برابر ہوتی ہے اور یہ کہ بارش اوپر سے نیچے کی جانب ہوتی ہے۔ اکثر شاعر اس قسم کی سچائی لکھتے ہیں اور یہی حل آدھنوں کا ہے۔ جو ایک ڈوبے ہوئے جہاز کی تصویر بناتے ہیں اور اپنے عمل سے طاقتوروں کو ناراض نہیں کرتے اور یہ لوگ اپنی تصویریں منگے داموں فروخت کرتے ہیں۔ لیکن ظاہر ہے یہ لوگ سچائی کو نہیں دیکھتے۔

ایسے لوگ بھی ہیں کہ جو نہ تو طاقتور سے ڈرتے ہیں، اور نہ غربت و مفلسی سے خوف دکھاتے ہیں، لیکن اس کے باوجود سچائی کو نہیں پا سکتے ہیں۔ دراصل ان میں علم کی کمی ہوتی ہے اور یہ قدیم توہمت میں گرفتار رہتے ہیں۔ ان کے لئے دنیا ایک پیچیدہ چیز ہوتی ہے اس لئے نہ تو وہ واقعات سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ان کے باہمی اثرات سے۔ اس لئے اس وقت کے تمام لکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ زمانہ کی تبدیلی، بلوی جدلیاتی عمل، معاشیات اور تاریخ سے واقف ہوں۔ جو کتابوں اور عملی تجربات سے سیکھتا ہے وہ کتابی سچائیوں کو اپنا کر کر سکتا ہے۔

اگر آہ تلاش میں ہو تو وہ بغیر مدد کے بھی سچائی تلاش کر سکتا ہے۔ لیکن آپ

ایسی سچائی کہ جس کو لوگ معلوم کرنا چاہتے ہیں، اس کے لئے کوشش کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ یہ وہ سچائی ہے جو لوگوں کو شعور دیتی ہے۔ اس لئے لوگوں کا کام سچائی بیان کرنا ہونا چاہئے، ضروری نہیں کہ وہ سچائی کو پروان بھی چڑھائیں۔

سچائی کو اس کے نتائج کی روشنی میں بیان کرنا چاہئے۔ اور اس نقطہ و نظر کے ساتھ کہ ہم اس سے کیا سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اس کو اس طرح سے سمجھنا چاہئے کہ سرمایہ داری اور سوشلزم کے ساتھ ساتھ فاشزم ایک تیسری قوت بن کر ابھرا ہے، اس طرح فاشزم ایک تاریخی مرحلہ ہے جو سرمایہ دارانہ نظام میں داخل ہو گیا ہے، اور سرمایہ داری فاشٹ ممالک میں موجود ہے، اس لئے کوئی بھی جب تک سرمایہ داری کے خلاف نہ ہو، وہ فاشزم کی مخالفت کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ فاشزم کے خلاف ہونا اور سرمایہ داری کی حمایت کرنا، دونوں باتوں کا ساتھ مشکل ہے یہ ایسا ہے کہ لوگ پھڑے کا گوشت کھانا پسند کریں، مگر یہ پسند نہ کریں کہ پھڑے کو ذبح بھی کیا جائے۔

اس لئے سچ لکھنے کے لئے فن کی بڑی ضرورت ہوتی ہے کہ ظالمانہ قوانین کے خلاف اس طرح سے لکھا جائے کہ اس نے جن چیزوں کو چھوڑ دیا ہے اس کا اندازہ قاری کو خود بخود ہو جائے، اور جب وہ سچائی کو اس طرح بیان کرے کہ، بیان نہ کی ہوئی باتیں پہچانی جائیں، تو پھر خراب صورت حال کے خلاف جنگ کی جاسکتی ہے۔

مدیوں سے لکھنے کے عمل میں، لکھنے والا یہ سوچنے لگا ہے کہ وہ جو کچھ لکھتا ہے اور لکھتا ہے، کیا وہ سننے والے یا پڑھنے والے سنتے اور پڑھتے ہیں، حالانکہ وہ جب بولتا ہے تو بہت کم تعداد اسے سنتی ہے، اور وہ بھی جو اسے سنتے ہیں، وہ اس کا کہا ہوا تمام کا تمام نہیں سنتے۔

سچائی کے لئے ضروری ہے کہ اسے لکھنے و پڑھنے والا دونوں ہی پہچان سکیں۔ اگر کوئی سچ بولے، تو سچ کو سننے والے بھی موجود ہونے چاہئیں۔ اس لئے لکھنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ یہ دیکھیں کہ وہ کس کے لئے لکھ رہے ہیں۔ ہمیں خراب صورت حال پر اس وقت لکھنا چاہئے جب ہمیں اس کا تجربہ ہو، اور ان لوگوں کو مخاطب کیا جائے جو مسائل سے گھرے ہوئے ہوں۔

سچائی جنگ لڑنے والی چیز ہے کیونکہ یہ نہ صرف جھوٹ کے خلاف لڑتی ہے بلکہ ان

انسانوں کے خلاف بھی جو جموٹ کو پھیلائے ہیں۔
 جب سچائی کو دبایا اور پھیلا جاتا ہے تو اسے بیان کرنے کے لئے جھالاک کی ضرورت
 ہوتی ہے۔ الفاظ کا صحیح استعمال سچائی کو ظاہر کرتا ہے، اور جموٹ کا پردہ چاک کرتا ہے۔
 مثلاً ہمارے زمانہ میں جب عوام (Volk) کی جگہ قوم اور زمین کی جگہ جائیداد کی اصطلاحیں
 استعمال کی جاتی ہیں تو یہ گمراہی کی جانب لے جاتی ہیں کیونکہ لفظ عوام ایک اتحاد اور اکائی کی
 علامت ہے اور اجتماعی دلچسپی کو ظاہر کرتا ہے، جب کہ قومیں ایک ہی ملک میں کئی ہوتیں اور
 ان کے مفادات بھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہیں، اور یہ وہ سچائی ہے کہ جسے پھیلا-
 جاتا ہے۔

اسی طرح جب زمین کی خوشبو کی بات کی جاتی ہے تو یہ حکمرانوں کا جموٹ ہوتا ہے
 کیونکہ اس میں عوام کی محبت شامل نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے مراد اثاث کی قیمت اور
 محنت کی قیمت ہوتی ہے۔ جو زمین کی محنت سے فائدہ اٹھاتے ہیں وہ، وہ لوگ ہیں جو خود لٹاچ
 پیدا نہیں کرتے، اور زمین کی خوشبو ان کے پیسوں کے مقابلہ میں دب جاتی ہے اور وہ اس
 خوشبو کے بجائے کچھ اور ہی سوگتے ہیں، اس لئے زمین کے بجائے جائیداد یا قبضہ زمین صحیح
 لفظ ہے کیونکہ اس سے آدمی کو دھوکہ نہیں ہوتا۔

ان ملکوں میں جہاں آمرانہ طرز حکومت ہو وہاں ”تختیم“ کی جگہ ”فرمان برداری“
 لکھا چاہئے۔ کیونکہ تختیم تو بغیر حکمران کے بھی ممکن ہے۔

لکھنے والا الفاظ کی تہذیبی کے ذریعہ بہ آسانی اپنی بات کہہ سکتا ہے مثلاً ”انگلستان
 کے تاس مور نے ایک ایسی یوٹوپیا کا نقشہ کھینچا کہ جہاں انصاف کا دور دورہ تھا، اور وہ اس
 سرزمین سے مختلف تھی جہاں وہ رہا تھا، لیکن حالات کے لحاظ سے وہ اس سے ملتی جلتی
 تھی۔

لیٹن جسے دار کی پولس نے شک کر رکھا تھا اس نے روسی بورژوا استحصال اور ظلم
 کو جو انہوں نے جزیہ زخائین میں کر رکھا تھا، اس طرح بیان کیا کہ اس نے روس کی جگہ
 ”جپان“ اور زخائین کی جگہ ”کوریہ“ لکھا اور پڑھنے والوں کو جاپانی نظام میں روسی استحصال
 طریقہ نظر آئے جو وہ زخائین میں استعمال کر رہے تھے۔ یہ تحریر ممنوع قرار نہیں دی گئی
 کیونکہ اس وقت جپان روس کا دشمن تھا۔ اس لئے آج جو بات جرمنی میں رہتے ہوئے

جرمنی کے بارے میں بیان نہیں کی جاسکتی، وہ بات آسٹریا کے بارے میں لکھ کر کی جاسکتی ہے۔

والیٹر نے چرچ کے اعتقالات اور معجزوں کے خلاف جنگ لڑی، اس سلسلہ میں اس نے اور — لین کی ایک نوجوان خاتون پر نظم لکھی اور اس معجزہ کا ذکر کیا کہ یوہانہ فوجیوں اور راہبوں کے درمیان ایک مدت رہی، اور اس کے باوجود وہ کنواری کی کنواری رہی۔

شکسپیئر کے ہاں بھی چالاکی کا ایک نمونہ ہم اس تقریر میں دیکھتے ہیں جو انطونیو نے سیزر کی لاش پر کی۔ وہ بار بار اس بات کو دہراتا ہے کہ سیزر کا قاتل بروٹس ایک قاتل احترام شخص ہے لیکن پھر وہ اس قتل کے عمل کو بھی دہراتا ہے اور اس کا یہ بیان موثر ہوتا ہے۔

ایک مصری شاعر نے جو چار ہزار سال قبل گزرا ہے، سچ کہنے کے لئے اس نے بھی اس قسم کے طریقے استعمال کئے تھے۔ اس کا دور طبقاتی کشمکش کا اہم دور تھا۔ اور حکمران طبقے عوامی دباؤ میں آئے ہوئے تھے۔ اس موقع پر دربار میں ایک دانشمند آتا ہے اور حکمران و امراء کے سامنے اندرونی دشمنوں اور خطرات سے انہیں آگاہ کرتا ہے، اپنے طویل بیان میں وہ اس بے چینی کا ذکر کرتا ہے جو ٹپلے طبقوں میں پائی جاتی تھی۔ اس کا بیان اس قسم کا ہے۔ اور یہ اس طرح سے ہے کہ اونچے لوگ شکایتیں کر رہے ہیں، جب کہ ٹپلے طبقوں کے لوگ خوشی سے بھرپور ہیں، ہر شخص یہ کہتا ہے کہ ہم اپنے شر سے طاقتوروں کو نکال باہر کرنا چاہتے ہیں۔

اور یہ اس طرح سے ہے کہ دفتروں کے دروازے کھل گئے ہیں۔ اور وہاں سے تمام کفایت لے لئے گئے ہیں، اور کسان اب ہر پیپرس کے مالک بن بیٹھے ہیں۔ اور یہ اس طرح سے ہے کہ معزز خاندان کا لڑکا اب پہچانا نہیں جاتا، اور مالک کا لڑکا اب غلام کے لڑکے کے برابر ہو گیا ہے۔

اور یہ اس طرح سے ہے کہ معزز شہری اب چکی چلا رہے ہیں، اور انہیں وہ دن دیکھنا پڑ رہے ہیں جن کے بارے میں انہوں نے سوچا تک نہیں تھا۔ اور یہ اس طرح سے ہے کہ قربانی کے لئے رکھے ہوئے خوبصورت صندوق توڑ دیئے گئے ہیں اور بستروں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے ہیں۔

دیکھو! رہائش گاہ کو ایک ہی منٹ میں تیس تیس گھس کر دیا گیا۔

دیکھو! ملک کے غریب امیر ہو گئے ہیں۔
 دیکھو! جس کے پاس کھانے کو روٹی نہیں تھی، اب اس کے پاس کھلیاں ہیں، اس کا
 گودام بتاتا ہے کہ کبھی اس کا مالک کوئی اور تھا۔
 دیکھو! آدمی وہی اچھا ہوتا ہے جو اپنا کھانا کھاتا ہے۔
 دیکھو! جس کے پاس اناج کا ایک دانہ نہیں تھا، اب وہ گوداموں کا مالک بنا بیٹھا ہے
 اور جو اناج مانگے کے لئے پیالہ لئے رہتا تھا، اب خود اناج تقسیم کر رہا ہے۔
 دیکھو! جس کے پاس بیلوں کی ایک جوڑی نہ تھی، اب وہ مویشیوں کے گلے رکھ
 ہے، جس کے پاس مل چلانے کو جانور نہیں تھے، اب اس کے پاس ریلوڑ ہیں۔
 دیکھو! جو اپنے لئے ایک کمرہ تعمیر نہیں کر سکتا تھا، اب اس کے پاس پورا مکان

دیکھو! وہ جو پنہا ڈھونڈتے تھے اور چار دیواری کو ترستے تھے اب وہ بستروں میں
 سوتے ہیں۔

دیکھو! وہ جو کبھی کشتی کو ترستے تھے، اب جہازوں کے مالک ہیں، اور انہیں دیکھ کر
 کوئی بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ کے اصل مالک نہیں۔
 دیکھو! گندے لوگ اب کپڑوں میں نظر آرہے ہیں جس کے پاس چھترے تھے اب
 وہ ریشمی کپڑوں میں لمبوس ہے۔

امیر لوگ پیاسے سو رہے ہیں، اور وہ جو کبھی ان کے کرم کا محتاج تھا اب انجمن
 بن چکا ہے۔

دیکھو! اور وہ کبھی سمجھتا بھی نہیں تھا، اب اس کے پاس موسیقی کے آلات ہیں
 جن کے سامنے کوئی گٹا پسند نہیں کرتا تھا، اب وہ موسیقی کی تعریف کرتے ہیں۔
 دیکھو! وہ عورت جو پانی میں اپنی شکل دیکھتی تھی، اب اس کے پاس آئینہ آگیا۔
 دیکھو! طبقہ اعلیٰ کے لوگ اوجھلے بھاگتے پھر رہے ہیں۔ اب بڑے لوگوں کے
 پاس کوئی ملنے والا نہیں آتا۔

جو کبھی قصہ تھا اب وہ دوسروں کو کلام کے لئے باہر بھیجتا ہے۔
 دیکھو! وہاں پر پانچ ہیں، اور ان کے مالک انہیں کلام سے بھیجتا چاہتے ہیں مگر انہوں

نے جواب دیا کہ تم خود کام کرو، ہم ذرا مصروف ہیں۔

جو تین سو فٹ اونچے ایک پتھڑ میں امیروں کو مشورہ دیتا ہے کہ ملک کے خوش حال بنائے، اور بھوک کا بوگبھگ مٹانے کے لئے غریبوں کے بچوں کا گوشت ٹمک لگا کر محفوظ کر لیتا ہے، سو فٹ اس انسانی نفسیات سے بخوبی واقف تھا کہ جب انسان پر کسی بات کا اثر نہ ہو تو اس وقت ایسی بات کرنی چاہئے کہ وہ چونک پڑے۔ فکر کا پروگنڈا کس بھی ذریعہ سے ہو اسے مظلوموں کے لئے استعمال کیا جاتا چاہئے۔

جہاں بھوک اور افلاس ہو ایک ایسے ملک میں وطن کے وقار اور دفاع کی بات کرنا باعث شرم ہوتا ہے جہاں لوگوں کو کھانے کو نہ ملے۔ وہاں کام کے لئے کتنا کمال کی شرافت ہے؟ یہ کتنی بڑی ستم خیزی ہے کہ ایسے معاشرے میں بھوکوں کو پیڑھا کما جاتا ہے۔ جن میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ دفاع کر سکیں انہیں بزدل کہا جاتا ہے۔ جو اپنی محنت کا معاوضہ چاہتے ہیں انہیں کال اور ست کہا جاتا ہے۔ ایسی حکومتوں میں فکر، پستی کی آخری حدیں چھو لیتی ہے۔ فکر کی پستی کے ساتھ معاشرے کی ہر قدر اور خوبی پست ہو جاتی ہے۔

لیکن ان حالات کے باوجود ایسے مواقع اور پہلو ہوتے ہیں کہ سچی بات کہی جاسکتی ہے، اگر ملک میں آزاد حکومتیں ہوں اور جنگ کی باتیں ہوں تو جنگ اور جنگی حربوں کے ذریعہ فکری بات کہی جاسکتی ہے، مثلاً "نقدانی اشیاء میں ملاوٹ، جنگ کے لئے نوجوانوں کی غلط تربیت، پھر جنگ کے بارے میں چالاک کے ساتھ ان سوالات کو ابھارا جائے کہ کیا جنگ معقول چیز ہے؟ اور اگر یہ ایک غیر معقول چیز ہے تو پھر خود کو کس طرح سے ایسی جنگ سے بچایا جائے۔"

اسی طرح علوم کی دوسری شاخوں میں، تحقیق اور ایجادات فکر کی راہیں کھولتی ہیں مثلاً حیوانیات کے شعبہ میں جب ڈرولون نے نئی نئی باتیں دریافت کیں، تو اس نے استحصال کو لوگوں کے سامنے روز روشن کی طرح عیاں کر دیا اس کو نہ تو چرچ پکڑ سکا اور نہ پولیس۔ پچھلے دنوں شعبہ طبقات میں جو ایجادات ہوئی ہیں۔ انہوں نے ان بنیادی اعتقادات پر ضرب لگائی ہے جن کے ذریعہ فکر کو پکلا جاتا ہے۔ پروشیا کی ریاست میں جس منطق کو تحقیق کیا، اس کے نتیجے میں مارکس اور لینن پیدا ہوئے۔ اور انہوں نے اسی منطق سے پرزور انقلاب کی راہیں ہموار کیں۔

سچائی کے لئے لڑنے والے ایسے ہتھیار استعمال کر سکتے ہیں، اور وہ پہلو تلاش کر سکتے ہیں کہ جو گرفت میں نہ آئیں، مگر پہلے اس بات کا فیصلہ کرنا چاہئے کہ جی ٹی ٹی کر سکا چاہئے یا نہیں؟ ایک ایسی سچائی کہ ہو ماضی کے بارے میں اور تبدیل ہوتے ہوئے ماحول کے بارے میں سوالات کر سکے۔ حکمران طبقے ہمیشہ سے تبدیلی کے ذریعہ دست مخالف رہے ہیں، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ہر چیز انہیں انہوں سال تک اپنی جگہ پر برقرار رہے۔ چنانچہ اسی طرح اساتذہ رہے اور سورج لوٹنا بھی اپنی جگہ سے نہ کھسکے۔ مگر نہ تو کسی کو بھولی گئے اور نہ کوئی شام کا کھانا کھانے کی خواہش کرے۔ وہ تو چاہتے ہیں کہ اپنے ہر مخالف کو ختم کر دیں اور ان کی گولی آخری گولی ہو۔ اس لئے تغیر و تبدل کی بات کرنا آمرانہ حکومتوں کے لئے خطرناک سوچ ہوتی ہے، لیکن اس بات کو ایسے طریقوں سے بیان کیا جاسکتا ہے کہ پولیس بے بس ہو جائے مثلاً یہ بات بیالونی اور کیمسٹری کے ذریعہ بخوبی کہی جاسکتی ہے۔

ہمارے عہد میں برہمت و ظلم کا دور دورہ ہے، نجی جائیداد اور ذرائع پیداوار پر طاقت و قوت کے ذریعہ قبضہ کیا ہوا ہے، جب ہم جرات کے ساتھ اس سچائی کو بیان کرتے ہیں تو ہم بہت سے دوستوں سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن ہمیں اس خطرناک صورت حال پر سچائی کے ساتھ بولنا چاہئے اور یہ بتانا چاہئے کہ اس ملکیت کی صورت حال کو کیسے تبدیل کیا جائے؟ ہمیں ان لوگوں کے بارے میں بھی بولنا چاہئے جو نجی ملکیت کے بوجھ تلے انتہائی غم رہے ہیں، ہمیں ان کی حالت کو بدلنے میں دلچسپی لینا چاہئے کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو کبھی ذرائع پیداوار کے مالک نہیں بنیں گے۔

ہم ان پانچ مشکلات کو ایک مقصد کے لئے استعمال کریں، اور سچائی کو اس انداز میں کہیں کہ دشمن اسے نہ پاسکے اور سچ کہنے والے کو نہ روک سکے۔
لکھنے والوں سے اس بات کی خواہش کی جاتی ہے کہ وہ ہر حالت میں سچائی کو ظاہر کریں اور اس کی بات کریں۔

(نوٹ: یہ مضمون تھنیس کے ساتھ ترجمہ کیا گیا ہے۔)

لفظ

پہلی سرزمین جو، نظر نے فتح کی وہ جرمنی تھی۔ پہلی قوم جسے اس نے پکلا وہ جرمن قوم تھی۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ جلاوطنی کی وجہ سے تمام جرمن ادب ختم ہو گیا ہے تو صحیح نہیں ہے، لیکن یہ ضرور صحیح ہے کہ حالات نے جرمن ادب اور قوم کو پیچھے دھکیل دیا ہے۔ چین کی قدیم شاعری آج تک موجود ہے، ان میں سے ان شاعروں کی شاعری بھی زندہ ہے کہ جنہیں حکومت نے مجبور کیا کہ وہ اپنے علاقوں کو چھوڑ دیں۔ لی تائے پو کم از کم ایک مرتبہ جلاوطن ہوا۔ تو شو کم از کم دو مرتبہ اور پو چوئی تین مرتبہ۔ دیکھا گیا ہے کہ صرف ایک جگہ مستقل رہتا ادب کا مقصد نہیں ہوتا اور نہ ادب صرف ادب کے طور پر مقبل ہوتا ہے۔ اس قسم کے اقدامات جب کسی حکومت کی جانب سے کئے جاتے ہیں۔ تو میرے نزدیک یہ اویوں کے لئے اعزاز کی بات ہوتی ہے۔ یہی صورت حال اس وقت جرمن ادب کی ہے کہ جسے جلاوطن کیا جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ جرمن ادب اس صورت حال کو قوت و توانائی کے ساتھ برداشت کرے گا۔ کچھ مصنفین ہائیل کی اس آیت کو بطور اقتباس لکھتے ہیں کہ ”ایتراء میں صرف لفظ تھا“ مجھے اس میں جو اہم معلوم ہوتا ہے وہ صرف ”لفظ“ ہے۔



تاریخ کے سوالات

وہ کون تھا کہ جس نے تھیبیس کے سات دروازے تعمیر کئے؟
کتاہوں میں تو صرف بادشاہوں کے نام لکھے ہیں۔

کیا یہ بادشاہ تھے کہ جنہوں نے کھروڑی چٹانوں کو گھسیٹا تھا؟
ہاں کا شہر کہ جسے کئی بار تباہ و برباد کیا گیا۔

ہر بار اسے کس نے تعمیر کیا؟

وہ کون سے سنہری روشنی والے مکانات تھے کہ جن میں مزدور رہا کرتے تھے؟

اس شام وہ کہاں چلے گئے کہ جب دیوار چین مکمل ہوئی۔
دیوار! اور عظیم روم۔

جو کہ فتح کے شادیانوں سے گونج رہا تھا۔

یہ بیزرکن پر فتوحات کی خوشی منا رہے تھے؟

خوشی کے نئے نئے گانے والے بازنطینی! کیا ان سب کے رہنے کے لئے صرف کھانا

تھے؟

اس طرح جیسے کہ رات میں سمندر ٹکراتا ہے، شراب میں مدہوش وہ اپنے غلاموں
پر دھاڑتے ہیں۔

لوجوان، سکندر نے ہندوستان فتح کیا۔

کیا اس نے اکیلے ہی فتح کیا؟

بیزر نے گل قوم کو شکست دی۔

کیا اس کے پاس کم از کم کوئی پاورچی بھی نہیں تھا؟

جب سمندری بیڑہ ڈوبا تو اسپین کا فلپ رویا۔

کیا اس کے علاوہ دوسرے نالا اور کوئی نہیں تھا؟

فریڈرک دوم جنگ نصف سالہ میں ہیت گیا۔

اس کے علاوہ اور کوئی جیسے ملتا تھا؟

ہر جانب فتح ہے۔

ہر دس سال میں ایک عظیم ہستی۔

لیکن کن لوگوں کی قیمت ہے۔

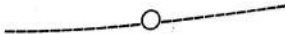
ڈیجری ساری تفصیلات۔

اور ڈیجری سارے سوالات۔



میرا بھائی ایک پائلٹ تھا

میرا بھائی ایک پائلٹ تھا۔
 ایک دن اس کے پاس ایک کارڈ سونپا چلا۔
 اس نے بس میں اپنا سٹن بھرا۔
 اور جنوب کی جانب روانہ ہو گیا۔
 میرا بھائی فلاح ہے۔
 ہماری قوم کو زمین کی ضرورت ہے۔
 جگہ اور زمین حاصل کرنا۔
 ہمارا ایک پرانا خواب ہے۔
 وہ جگہ کہ جو میرے بھائی نے فتح کی۔
 وہ پیکش میں چند گز ہے۔
 یہ چھ فٹ لمبی اور پانچ فٹ گہری ہے۔



دو سالہ عورت

جب میرے دادا کا انتقال ہوا ہے تو اس وقت میری دادی کی عمر 72 سال کی تھی۔ میرے دادا باڈن (BADEN) کے ایک چھوٹے سے شہر میں لیتھو پریس کے مالک تھے جس میں دو یا تین ملازم ان کے ساتھ کام کرتے تھے، جب کہ میری دادی گھر کا سارا کام بکن بشیر کسی ملازمہ کے خود ہی کرتی تھیں۔ دکان کی دیکھ بھال، صفائی، اور گھر کے تمام افراد کے لئے کھانا پکانا انہیں کے ذمہ تھا۔

وہ ایک چھوٹی اور دہلی چلی عورت تھیں، جن کی محبت کرنے والی چمکتی آنکھیں تھیں۔ وہ بہت کم بولتی تھیں، ان کے سات بچے ہوئے، جن میں سے دو تو بچپن ہی میں مر گئے، اور پانچ کو انہوں نے غریب و مفلسی کی حالت میں پال پوس کر بڑا کیا۔ بچوں کی پیدائش اور مسلسل محنت نے انہیں سیکڑ کر چھوٹا کر دیا تھا۔

ان کے بچوں میں سے دو لڑکیاں تو امریکہ چلی گئیں، اور دو لڑکے روزگار کے سلسلہ میں ان سے دور ہو گئے۔ سب سے چھوٹا لڑکا جس کی صحت ہمیشہ خراب رہتی تھی وہ ان کے پاس اسی شہر میں رہ گیا۔ وہ ایک پریس میں کام کرتا تھا، اور اپنے بڑے خاندان کے ساتھ مشکل سے گزارا کرتا تھا۔ اس طرح وہ میرے دادا کے مرنے کے بعد اکیلی رہ گئیں۔ ان کے بچے اکثر ان کی تنہائی کے سلسلہ میں ایک دوسرے کو خطوط لکھتے، اور ایک تو انہیں اپنے ساتھ گھر میں رکھنا بھی چاہتا تھا، جب کہ چھوٹا لڑکا اپنے خاندان کے ان کے گھر میں آکر رہنے کا خواہش مند تھا، مگر انہوں نے کبھی ان کے مشوروں پر کان نہیں دھرا، وہ صرف اتنا چاہتی تھیں کہ اگر ان کے لڑکے انہیں تھوڑی بہت مالی امداد دے سکیں تو یہی بہت ہے۔ لیتھو پریس جو عرصہ ہوا پرانا ہو چکا تھا، اس کو فروخت کرنے پر انہیں کچھ زیادہ نہیں ملا، اور جو تھوڑا بہت ملا وہ بھی، جڑھا ہوا قرضہ اتارنے میں پورا ہو گیا۔

ان کے بچے اکثر انہیں لکھتے رہتے تھے کہ انہیں بالکل تنہا نہیں رہنا چاہیے تھے۔ انہوں نے کبھی ان باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا، اسی وجہ سے تنگ آکر وہ خاموش ہو گئے۔ وہ ہر مہینہ اپنی ماں کو تھوڑا بہت پیسہ بھیج دیا کرتے تھے۔ اور پھر ان کا یہ خیال بھی تھا کہ اگر ان کا چھوٹا بھائی تو اسی شہر میں رہتا ہے۔

ان کا چھوٹا بھائی تو اسی شہر میں رہتا ہے۔ چھوٹے بھائی نے اپنے ذمہ یہ کام لیا کہ وہ اپنے بہن بھائیوں کو اپنی ماں کے بارے میں برابر لکھتا رہتا تھا۔ میرے چھوٹے چچا کے ان خطوط سے جو انہوں نے میرے باپ کو لکھے، مجھے پتہ چلا کہ میری دادی نے اپنی زندگی کے آخری دو سالوں میں کیا کیا؟

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرے چھوٹے چچا ابتداء ہی سے دادی جان کے رویہ سے باپس اور ناراض تھے، کیونکہ انہوں نے اسے اپنے بڑے اور خالی مکان میں رہنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ وہ اپنے چار بچوں کے ساتھ تین کمرے والے مکان میں رہتے تھے۔ دادی نے ان سے تعلقات بھی بہت کم رکھے، وہ صرف اتوار کے دن دوپہر کے وقت بچوں کو کافی پر بلا لیتی تھیں، اس سے زیادہ نہیں۔

تین یا چار مہینے میں ایک بار وہ اپنے لڑکے کے گھر چلی جاتی تھیں، اور اپنی بوکر کھانا پکانے میں مدد دیتی تھیں۔ اگرچہ ایسے موقعوں پر ان کی بہو اس کا اظہار کرتی کہ اس چھوٹے سے مکان میں ان کا مشکل سے گزارہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کا دادی پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ باتیں لکھتے ہوئے میرے چھوٹے چچا کے خطوط میں ناراضگی پائی جاتی تھی۔ ایک مرتبہ میرے والد نے جب یہ معلوم کرایا کہ ان کی والدہ کیا کرتی ہیں؟ تو جواب میں چچا نے مختصراً یہ لکھا کہ وہ ”سینما جاتی ہیں“۔

اس زمانہ میں یہ کوئی اچھی بات نہیں سمجھی جاتی تھی۔ اس لئے ان کے بچوں کے لئے یہ خبر حیرت کا باعث ہوئی۔ کیونکہ سینما آج سے بیس سال پہلے وہ نہیں تھا جو اب ہے۔ اس وقت اس کا ماحول گندا اور غلیظ ہوا کرتا تھا۔ اس میں دکھائی جانے والی فلمیں قتل و جواز اور سستی قسم کے البیہ کے موضوعات پر ہوتی تھیں۔ اس لئے سینما جانے والے یا تو ٹائیٹل لڑکے ہوتے تھے، یا اندھیرے میں محبت کرنے والے جوڑے۔ اس لئے ایک بوڑھی عورت کا اکیلا وہاں جانا تعجب کی بات تھی۔ اگرچہ سینما کے ٹکٹ کی قیمت کم ہوا کرتی تھی، مگر اس وقت اس تفریح کے بارے میں یہ کہا جاتا تھا کہ اس میں بلاوجہ پیسہ بہاؤ کرنا ہے۔

اس نے ایسے مشغلہ میں پیسہ ضائع کرنا کوئی قابلِ فخر بات نہیں تھی۔

میری دادی نے کبھی اپنے لوگوں کو گھر پر نہیں بلایا، اور نہ ہی کسی جاننے والے اور واقف بزرگ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی اور نہ ہی خود شہر کے معززین کی محفلوں میں جاتی تھیں۔ اس کے بجائے وہ اکثر ایک سوچی کی دکان پر جاتی تھیں جو غریبوں کے ایک محلہ میں بدنام گلی میں تھیں۔ یہاں دوسرے کے بعد ہوٹلوں میں کام کرنے والی خادماں، مستریوں کی دکانوں پر کلرک ریٹے والے لڑکے اور بے کار لوگوں کا مجمع ہو جاتا تھا۔

سوچی ایک بوڑھے عمر کا شخص تھا، جو اگرچہ شہر شہر گھوما ہوا تھا مگر اس کے پاس تھا کچھ بھی نہیں۔ وہ شراب کا بھی بڑا رسیا تھا۔ دیکھا جائے تو اس کا اور میری دادی کا آپس میں کوئی تعلق بنا نظر نہیں آتا تھا۔

میرے چھوٹے چچا نے ایک خط میں لکھا کہ جب اس نے اپنی ماں کی توجہ ان باتوں کی طرف دلائی تو انہوں نے سرد مہری سے جواب دیا کہ اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور ”کیا اس نے کچھ دیکھا ہے؟“ جو اسے وہاں جانے سے منع کیا جا رہا ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے محنگو ختم کر دی۔ میری دادی کی علالت تھی کہ وہ جن موضوعات پر بولنا پسند نہیں کرتی تھیں، ان پر وہ قطعی بحث نہیں کرتی تھیں۔

میرے دادا کے مرنے کے کوئی چھ مہینے بعد، میرے چچا نے والد کو لکھا کہ دادی اب ہر دوسرے دن ہوٹل میں کھانا کھاتی ہیں۔

اور یہ بڑے تعجب کی خبر تھی!

دادی جان جنہوں نے زندگی بھر ایک درجن کے قریب آدمیوں کا کھانا پکایا ہو اور خود ہمیشہ بچا کچھا کھایا ہو، وہ اب ہوٹل میں کھانا کھانے لگیں۔ آخر یہ سب کیوں کر اور کیسے

ہوا؟

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد میرے والد کو کاروبار کے سلسلہ میں سفر کرنا پڑا، اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ اپنی ماں سے بھی ملنے چلے گئے۔ جب وہ گھر پہنچے تو اس وقت وہ کہیں باہر جانے والی تھیں۔ والد کو دیکھ کر انہوں نے اپنا ہیٹ اتار کر رکھ دیا اور ان کی تواضع سرخ شراب اور بسکٹوں سے کی۔ وہ بہت پرسکون نظر آتی تھیں، نہ تو بہت ہی جذباتی تھیں اور نہ بہت خاموش۔ انہوں نے والد سے ہمارے بارے میں پوچھا، اگرچہ ان

کے لیے میں کوئی زیادہ لگاؤ نہیں تھا۔ ان کا کمرہ بہت صاف ستھرا تھا اور وہ خود بھی صحت مند نظر آتے تھے۔ ایک تبدیلی جو ان کی زندگی میں آئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے والد کے بچہ چرچ جانے سے انکار کر دیا اور نہ ہی وہ اپنے شوہر کی قبر پر جانے کے لئے تیار ہوئے۔ ”تم اکیلے جا سکتے ہو۔“ انہوں نے میرے والد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

جانب گیارہویں قطار میں تیری قبر ہے۔ مجھے ذرا کہیں اور جانا ہے۔ بعد میں میرے چھوٹے چچا نے بتایا کہ وہ موچی کی دکان پر جا رہی ہوں گی۔ اس نے میری داد کو برا بھلا بھی کہا کہ وہ تنگ و تاریک گھر میں رہ رہا ہے۔ پانچ گھنٹہ کا کم ہر اسے ملتا ہے اس سے آمدنی بھی بہت کم ہوتی ہے، اس پر دمہ کا مرض علیحدہ سے اور ان کا آبائی مکان جو اتنا بڑا ہے وہ بالکل خالی پڑا ہوا ہے۔

میرے والد نے ہوٹل میں کمرہ کرایہ پر لیا تھا، اور انہیں امید تھی کہ ان کی ماں انہیں ضرور گھر پر رہنے کے لئے کہیں گی، اگر دل سے نہیں تو اذراہ تکلیف ہی سہی۔ لیکن انہوں نے اس موضوع پر کوئی بات ہی نہیں کی۔ والد کو یاد تھا کہ اس سے پہلے وہ بیڑہ اسرار کرتی تھیں کہ وہ ان کے ساتھ گھر پر رہیں، اور ہوٹل میں اپنا پیسہ ضائع نہ کریں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے اپنے خاندان سے تمام تعلقات ختم کر لئے تھے اور اپنی دنیا علیحدہ سے بنالی تھی، اور وہ اسی میں رہنا پسند کرتی تھیں۔ میرے والد جن میں مزاں کا اچھا ذوق تھا، جب انہوں نے اپنی ماں کو اس میں خوش پایا تو انہوں نے خاص طور سے چھوٹے چچا سے کہا کہ وہ جو کچھ کرنا چاہتی ہیں، کرنے دو اور ان کی زندگی میں کوئی دخل نہ

— دو

لیکن سوال یہ تھا کہ آخر وہ کیا کرنا چاہتی تھیں!

ان کے بارے میں جو دوسری خبر آئی وہ یہ تھی کہ وہ جمعرات کے دن کرایہ کی بکھی میں سیر کو جاتی ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک آدھ مرتبہ جب ہم دادا و دادی سے ملے گئے تھے تو اکثر دادا کرایہ کی بکھی منگو کر ہمیں گھمانے لے جاتے تھے، لیکن ایسے موقعوں پر دادی جانا ہمیشہ گھر پر ہی رہتیں اور ہاتھ ہلا کر ساتھ آنے سے انکار کر دیتیں۔

بکھی کی سیر کے بعد دوسری خبر آئی کہ انہوں نے قریب کے ایک بڑے شہر کا سفر کیا جو وہاں سے ٹرین کے ذریعہ دو گھنٹہ کا تھا۔ وہاں گھوڑوں کی دوڑ ہوا کرتی تھی اور دادی جانا

اس میں شرکت کرنے کے لئے گئیں تھیں۔

ان کی ان حرکتوں پر میرے پھوٹے چچا بالکل پریشان ہو گئے یہاں تک کہ وہ اس سلسلہ میں کسی واکٹر سے مشورہ کرنا چاہتے تھے، مگر میرے والد نے انہیں اس سے منع کیا۔

پڑوس کے شرمیری داوی اکیلی نہیں سکتی تھیں بلکہ ان کے ساتھ ایک نوجوان لڑکی بھی تھی اور جیسا کہ میرے پھوٹے چچا نے لکھا وہ نیم پاگل اور معذور تھی۔ وہ اس ہوٹل کی خلوصہ تھی جہاں میری دادی ہر دوسرے دن کھانا کھانے جاتی تھیں بعد میں اس معذور دوشیزہ نے ان کے زندگی میں اہم کردار ادا کیا۔

ایسا نظر آتا ہے کہ میری دادی اس کی دلدادہ ہو گئی تھیں۔ وہ اس کو اپنے ہمراہ سینما لے جاتیں، اور موچی کی دکان پر بھی وہ ان کے ساتھ جاتی تھی۔ اکثر وہ دونوں پلورچی خانہ میں بیٹھی سرخ شراب پیتیں اور ناش کھاتیں۔

میرے چچا نے مایوسی اور افسردگی کے ساتھ لکھا کہ ”ماں نے اس معذور کے لئے ایک ہیٹ خریدا جس پر سرخ گلاب بنا ہوا تھا، جب کہ میری بچی کے لئے چرچ جانے کے کپڑے تک نہیں۔“

اس کے بعد سے میرے پھوٹے چچا کے خطوط بڑے جذباتی ہو گئے اور ان میں اپنی ماں کی بے شرمی کے قصوں کے علاوہ اور کچھ ہوتا ہی نہیں تھی۔ اس کے بعد کیا ہوا یہ باتیں میں نے اپنے والد سے سنی۔

میرے والد جس ہوٹل میں فھرے ہوئے تھے اس کی مالکہ نے دادی کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ”وہ اب زندگی سے پورا پورا لطف اٹھا رہی ہیں۔“

حقیقت میں میری دادی اپنی زندگی کے آخر سال میں بڑے عیش سے رہیں۔ جب وہ ہوٹل میں کھانا نہیں کھاتی تھیں تو گھر پر تلے انڈے، کلنی اور اپنے پسندیدہ بکٹ شوق سے کھاتی تھیں۔ وہ سستی سرخ شراب ضرور خرید کرتی تھیں، اور کھانے پر اس کا ایک چھوٹا گلاس پیا کرتی تھیں۔ گھر کو بڑا صاف ستھرا رکھتیں۔ اپنے لڑکوں کو بتائے بغیر انہوں نے گھر کو رہن رکھ دیا تھا اور یہ کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے اس پیسہ کا کیا کیا؟ خیال ہے کہ شاید یہ پیسہ انہوں نے اپنے موچی دوست کو دیدیا ہو۔ کیونکہ ان کی وفات کے بعد وہ ایک بڑے شہر میں چلا گیا جہاں اس نے جوتوں کی ایک بڑی دکان کھول لی۔

دیکھا جائے تو میری دادی نے دو زندگیاں گزاریں، پہلی ایک بیٹی بیوی اور ماں کی حیثیت سے اور دوسری ایک عورت کی حیثیت سے۔ ان کی پہلی زندگی 72 سال تک چلی جب کہ دوسری زندگی صرف 2 سال کی تھی۔

میرے والد بتایا کرتے تھے کہ زندگی کے آخری سال میں انہوں نے اپنا وقت بڑی آزادی سے گزارا گرمیوں میں وہ صبح تین بجے بیدار ہو جاتیں اور شہر کی خانگیاں گھومنا پس تھا ہل قادی کر تیں، محلہ کا پادری اکثر ان کے پاس آجاتا تھا اور ان کی تھالی کا سا سبزی ہوتا تھا کبھی کبھی وہ ان کے ساتھ سینما بھی چلا جاتا تھا۔

لیکن درحقیقت وہ تنہا نہیں تھیں۔ موچی کی دکان ان کی تفریح کی جگہ تھی۔ جہاں شہر کے خوش مذاق اور بے فکرے جمع ہو جاتے اور یہی اتفاق تھیں وقت گزارتے تھے۔ ہمیشہ ایسے موقعوں پر سرخ شراب کی بوتل ساتھ میں رکھتے، چھوٹے چھوٹے لوگ قے، کمانیاں سارے ہوتے تو وہ شراب کی چسکیاں لیتی رہتیں۔ سرخ شراب ان کی پسندیدہ شراب تھی، جب کہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے لئے وہ ذرا تیز شراب لایا کرتی تھیں۔

خزاں کی ایک دوپہر کو انہوں نے اپنے سونے کے کمرے میں بڑی خاموشی سے وفات پائی۔ اس وقت وہ کمزری کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھی تھیں۔ اس رات کو انہوں نے اس معذور و شیرازہ کو سینما کی دعوت دی تھی، اس لئے ان کے آخری لمحوں میں وہ ان کے قریب تھی۔

جب ان کی وفات ہوئی ہے تو وہ 74 سال کی تھیں۔

میں نے ان کا وہ فوٹو دیکھا ہے جو ان کے مرنے کے بعد ان کے بچوں کے لئے لبا گیا تھا اس میں ان کی جھری بھرے چرے کو بہ آسانی دیکھا جاسکتا ہے۔ ان کا ہاند چوڑا اور ہونٹ پٹے تھے اوہ چہرہ سکر کر چھوٹا ہو گیا تھا۔ دادی نے زندگی کا بڑا حصہ خدمت گزاروں میں اور بہت تھوڑا آزادی کے ساتھ گزارا۔ اسی لئے انہوں نے زندگی کے آخری دنوں میں ایک ایک لمحہ سے پورا پورا لطف اٹھالیا۔

ملحد کا اور کوٹ

یہ 1600ء کی بات ہے کہ چرچ کا محکمہ انکوئزیشن (INQUISITION) گیارہو ہندو کو اس کے طہرانہ خیالات کی وجہ سے زندہ آگ میں جلانا چاہتا تھا۔ ہندو محل اس لئے ہی عقیم انسان نہیں تھا کہ اس نے ستاروں کی گردش کو حقیقت ثابت کیا تھا۔ بلکہ اس لئے بھی کہ اس نے بڑی جرات و بہادری کے ساتھ انکوئزیشن کی عدالت میں اپنا مقدمہ لڑا تھا اور ان سے مطالبہ ہو کر یہ تاریخی الفاظ کہے تھے۔

”تم میرے خلاف یہ فیصلہ ڈر اور خوف کے ساتھ دے رہے ہو۔“

جب بھی کوئی اس کی تحریروں کو پڑھتا ہے، اور ان رپورٹوں پر نظر ڈالتا ہے جو اس کے خلاف مقدمہ کے دوران لکھی گئیں، تو اسے ایک بڑا آدمی تسلیم کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے متعلق ایک اور واقعہ بھی ہے جس کی وجہ سے ہماری نظروں میں اس کی عزت اور بڑھ جاتی ہے۔ یہ واقعہ اس کے اور کوٹ کا ہے۔

لیکن پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ آخر وہ انکوئزیشن کے ہاتھوں گرفتار کیسے ہوا؟

دینس کے ایک امیر جس کا نام موسچہ دیگو تھا، اسے ایک مرتبہ اپنے گھر بلایا تاکہ وہ اس سے طبیعیات اور دوسرے علوم پر اسبق لے سکے۔ لیکن ایک ماہ کے عرصہ میں اس نے جو کچھ اسے پڑھایا، موسچہ دیگو اس سے غیر مطمئن رہا۔ کیونکہ اسے امید تھی کہ ہندو اسے علم طبیعیات کے بجائے کالے جادو کی تعلیم دے گا۔ اس لئے اس نے کئی بار اسے بڑے علوم سے ”نبیر بھی کی کہ وہ اسے پر اسرار اور فائدہ مند علم سکھائے“ کیونکہ اسے یقین تھا کہ ہندو جیسا مشہور عالم اس علم سے ضرور واقف ہو گا۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ ہندو اس معاملہ میں اس کے لئے زیادہ فائدہ مند نہیں، تو اس نے سوچا کہ کسی طرح اس معروضہ کو کو پھیلایا جائے جو پڑھائی کے عوض ملے ہوا تھا، یہ ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے اسے

انکونیشن کے سامنے لازم ٹھہرایا۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا کہ اس خراب اور پائپس
انسان نے اس کی موجودگی میں حضرت عیسیٰ کو برا بھلا کہا، اور راہبوں و پادریوں کے بارے
میں کہا کہ وہ گدھے ہیں، اور عوام میں سب سے زیادہ احمق ہوتے ہیں۔ اور سب سے بد
کر یہ کہ اس نے بائبل کی تعلیمات کے خلاف پڑھایا وغیرہ وغیرہ، اس کے ساتھ ہی موسیٰ
نیپو نے اسے ایک کمرے میں بند کر دیا، اور انکونیشن کے افسروں سے درخواست کی کہ وہ
اسے مار لے جائیں۔

اس کی رپورٹ پر انکونیشن کے افسر رات کو آئے اور اسے اپنے ساتھ جیل لے
گئے۔ یہ واقعہ بروز پیر، 25 مئی 1952ء کو ہوا۔ اس دن سے جب کہ اسے ۱۱
فروری ۱۹۵۰ء کو ایندھن کے ڈھیر پر زندہ جلانے کے لئے لایا گیا، وہ جیل سے باہر نہیں نکلا
ان ۵ سالوں میں جب کہ وہ مقدمہ کی انتہوں سے گزرا وہ بغیر کسی کمزوری کے اپنی زندگی کے
لئے لڑتا رہا۔ لیکن ایک مہینہ جو اس نے وٹس میں اپنے دفاع میں گزارا، صرف اس وقت
وہ اپنا دفاع بتدی سے نہیں کر سکا، کیونکہ اسی دوران اور کوٹ کا واقعہ پیش آیا۔

۱۹۵۲ء کی سرحدوں میں جب کہ وہ کرالیہ کے ایک کمرے میں رہتا تھا، اس نے شہر
کے ایک درزی جس کا نام جبریل سنتو تھا، اپنے لئے ایک موٹے اور کوٹ کا ٹاپ دیا تھا، کوٹ
ملنے کے بعد ہی اسے گرفتار کر لیا گیا، یہ وقت تھا کہ وہ اس کی قیمت ادا نہیں کر سکا تھا۔
درزی نے جیسے ہی اس کی گرفتاری کی خبر سنی تو وہ بھاگا ہوا موچے نیپو کے مکان
پر پہنچا تاکہ اپنی رقم وصول کر سکے۔ لیکن وقت گزر چکا تھا، موچے نیپو کے گھر کے ایک
خادم نے اسے دروازے پر ہی روک دیا اور کہا کہ ”اس دھوکہ باز کو ہم پہلے ہی بت دے
چکے ہیں“ اس نے یہ الفاظ دروازے پر کھڑے کھڑے اتنے زور سے کہے کہ راستہ چلے ہو
لوگ بھی رگ گئے ”بھئی یہ ہے کہ اس لمحہ کے خلاف جو کچھ کہنا ہے وہ مقدس عدالت کے
سامنے جا کر کہوں۔“

درزی ان الفاظ کو سن کر سکتے میں آگیا، اور اسی حالت میں تھوڑی دیر تک وہ گلی
میں کھڑا رہا۔ گلی کے چند لڑکوں نے جنہوں نے اس گفتگو کو سنا تھا، ان میں سے ایک نے
اسے نشانہ بنا کر پتھر پھینکا، اگرچہ اس پر ایک پھنے پرانے کپڑوں میں ملبوس ایک عورت نے
اس لڑکے کے گلے کھینچے، مگر اس سے سنتو کو فوراً اس بات کا احساس ہو گیا کہ شاید لوگوں نے

یہ خیال ہو گا کہ اس کا بھی اس لمحہ سے ضرور کوئی تعلق ہے۔ اس لئے وہ خاموشی سے تیز تر چل ہوا اپنے گھر واپس ہوا۔ اس نے اپنی بیوی کو اس حادثہ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا اگرچہ اسے اپنے شوہر کی ہشت بھری خاموشی اور اداسی پر تعجب ضرور ہوا۔

پہلی جون کو حساب لکھتے ہوئے اسے پتہ چلا کہ ایک اور کوٹ کی قیمت ادا نہیں کی گئی ہے اور یہ اور کوٹ اس آدمی کے نام پر تھا جس کا نام اس وقت شہر کے پچھ پچھ کی زبان پر تھا اور اس کے بارے میں بری بری قسم کی افواہیں گردش کر رہی تھیں۔ اس نے نہ صرف یہ کہ کہیں لکھ کر اپنی عزت و آبرو مٹی میں ملائی۔ بلکہ اپنی گفتگو میں مذہب کے خلاف بھی باتیں کیں۔ مثلاً ”حضرت عیسیٰ کو جلاوگر کہا“ اور امتحانہ قسم کی باتیں سورج کے بارے میں کہیں۔ اس لئے ایسے شخص سے یہ امید کی جاسکتی تھی کہ وہ اپنے اور کوٹ کی قیمت ادا نہ کرے گا۔ اس نیک عورت کی بالکل بھی یہ خواہش نہیں تھی کہ وہ اس بڑے نقصان کو برداشت کرے۔ اس لئے اپنے شوہر سے لڑ جھگڑ کر یہ 70 سالہ عورت اپنے اقوار کے کپڑوں میں مقدس عدالت کی عمارت جا پہنچی اور وہاں اس نے بڑی ناراضگی سے اپنے 32 اسکوڈی (ایک قسم کا سکہ) کے لئے مطالبہ کیا جو اس لمحہ قیدی کے ذمہ تھے۔ ایک عہدار نے اس کے مطالبہ کو لکھا اور وعدہ کیا کہ وہ اس معاملہ کی چھان بین کرے گا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد سنتو کا مقدس عدالت سے بلاوا آگیا اس پر وہ غریب ڈر اور خوف سے کانپتا ہوا اس ہیبت ناک عمارت میں جا پہنچا اور اپنی آمد کی اطلاع دی۔ اسے تعجب ہوا کہ اس سے کوئی سوالات نہیں پوچھے گئے اور صرف یہ کہا گیا کہ قاعدے و قوانین کی رو سے اس کے قرضہ کے بارے میں قیدی کی مالی حالت دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا ساتھ ہی میں عہدے دار نے اس سے یہ بھی کہا کہ اسے کسی خاص کامیابی کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

بوڑھا آدمی اس طرح سے ستے چھوٹ جانے پر بڑا خوش ہوا، بلکہ اس نے عہدے دار کا خوشامداندہ انداز میں شکر یہ بھی ادا کیا۔ لیکن اس کی بیوی پر اس پر بالکل بھی خوش نہیں ہوئی اگرچہ اس نقصان کو پورا تو کیا جاسکتا تھا مگر وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کا شوہر شام کا آرام ختم کر کے رات گئے تک سلائی میں مصروف رہے۔ اس کے علاوہ وہ کپڑے والے کے بھی مقروض تھے اور اس کا قرضہ دینا بھی ضروری تھا اس لئے وہ گھر میں اور گھر سے

باہر کہتی پھرتی تھی کہ یہ کتنے شرم کی بات ہے کہ ایک دھوکہ باز کو اس سے پیچھے کر دیا جائے۔
 قرضہ لوار کرے، گرفتار کر کے اسے قرض خواہوں سے پناہ دے دی گئی۔ اس نے اپنے آپ کو ایک عورت
 کہا کہ وہ اپنے 22 اسکوٹی کی خاطر روم میں مقدس باپ کے پاس تک جانے سے گریز نہیں
 کرے گی، اور پھر وہ آخر میں یہ بھی کہتی تھی کہ۔

”اور اسے الگ کے ایندھن پر اور کوٹ کی ضرورت بھی نہیں ہو گی۔“
 اس سلسلہ میں وہ اپنے حملہ کے پادری کے پاس بھی گئی اور جو کچھ اس کے ساتھ
 پیش آیا تھا وہ بیان کیا، اس پر پادری نے اسے مشورہ دیا کہ وہ مقدس عدالت سے یہ مطالبہ
 کرے کہ اگر اسے پیسے نہیں دئے جاسکتے تو کم از کم اور کوٹ ہی دیدیا جائے لیکن پادری
 عورت کا کہنا تھا کہ اور کوٹ بروٹو کے ٹاپ کے مطابق تیار ہوا ہے، اور وہ کوٹ حقیقتاً اس
 نے پہنا بھی ہو گا، اس لئے وہ کوٹ واپس لے کر اس کا کیا کرے گی۔ اسے تو اس کی قیمت
 چاہئے۔ جب اس نے زیادہ شور و غوغا کیا تو پادری نے اسے کمرے سے نکال دیا۔ اس پر وہ
 تھوڑا سا ڈری اور کچھ ہنسنے خاموش رہی، اور گرفتار لحد کے خلاف اس نے زیادہ باتیں نہیں
 کیں۔

شرم میں ہر کوئی بھی کہتا تھا کہ مقدمہ میں عدالت نے بہت ہی ظالمانہ اور غیر
 ہمدردانہ رویہ اختیار کیا ہے، بوڑھی عورت ادھر ادھر سے یہ سب باتیں غور سے سنی رہتی
 اس کے لئے یہ بات اذیت کا باعث تھی کہ لحد کے خلاف سنگین الزامات لگائے گئے ہیں، اس
 لئے اس کے آزاد ہونے کے کوئی امکانات نہیں، اور جب وہ آزاد نہیں ہو گا تو اپنا قرضہ بھی
 ادا نہیں کر سکے گا۔ اس خیال سے اس کی راتوں کی نیند اڑ گئی۔

اگست کے مہینہ میں جب کہ گرمی نے سب کے ہوش اڑا رکھے تھے، تو اس نے
 اپنے گاہکوں کے سامنے شکایتوں کی بھرمار شروع کر دی، اور یہاں تک کہنا کہ پادریوں کو سن
 گناہ ہو گا، اگر انہوں نے ایک غریب دستکار کے جائز مطالبہ کو پورا نہیں کیا اور اسے ایسے ہی
 رہنے دیا، کیونکہ ایک تو ٹیکسوں کی بھرمار ہے، اور پھر میٹنگی، اور اس صورت حال میں
 نقصان۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن صبح کے وقت ایک عہدے دار اسے مقدس دفتر لے
 گیا اور وہاں اسے تنبیہ کی گئی کہ وہ آئندہ کے لئے اپنی زبان پر قابو رکھے۔ اس نے کہا

کہ کیا اسے شرم نہیں آتی کہ وہ چند سکوں کی خاطر ایک انتہائی مقدس اور اہم مقدمہ میں رکاؤ ڈال رہی ہے؟ اس سے کہا گیا کہ وہ خود سمجھ جائے، ورنہ اسے خاموش کرنے کے لئے دوسرے طریقہ اختیار کئے جائیں گے۔

کچھ عرصہ کے لئے تو اس تنبیہ نے اثر کیا، لیکن جب اسے مقدس عہدے دار کے یہ الفاظ یاد آتے کہ ”چند سکوں کی خاطر“ تو اسے غصہ آتا، مگر صبر کر کے خاموش ہو جاتی۔ لیکن ستمبر کے مہینہ میں جب یہ خبر پھیلی کہ انکونیزیشن کے بڑے آفس نے قیدی کو روم بلایا ہے، تو ایک بار پھر عورت کو اپنے پیسوں کی فکر پڑ گئی۔

کچھ عرصہ کے لئے شر کے لوگوں میں یہ بات موضوع بحث بن گئی کہ اسے روم کے حوالہ کیا جائے یا نہیں؟ شر کی انتظامیہ روم کی عدالت کی برتری ماننے پر تیار نہیں تھی۔ اور بوڑھی عورت کو فکر تھی کہ کیا واقعی اس لمحہ کو قرضہ چکائے بغیر روم جانے دیا جائے گا؟ ابھی اس نے اس خبر کی تصدیق بھی پوری طرح نہ کی تھی، کہ اس سے ضبط نہیں ہوا، اور وہ بھاگی ہوئی مقدس عدالت کی عمارت جا پہنچی۔

اس مرتبہ ایک بڑے عہدے دار نے اس سے ملاقات کی، اور تعجب کی بات یہ تھی کہ پچھلے عہدے داروں کے مقابلہ میں اس نے، اس کی بات زیادہ غور سے سنی، جب وہ اپنی شکایت کر چکی تو بوڑھے عہدے دار نے معمولی وقفہ کے بعد سوال کیا کہ کیا وہ بروٹو سے ملنا پسند کرے گی؟۔

اس نے فوراً ہی ہائی بھری، اور ملاقات کے لئے دوسرا دن مقرر ہوا۔ دوسرے دن صبح کے وقت، ایک چھوٹے سے کمرے میں جن کی کھڑکیوں میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں، اس کی ملاقات ایک دہلے پٹے چھوٹے سے آدمی سے ہوئی جس کی کلی دائرہ تھی۔ اس نے بڑے منذب انداز میں اس سے پوچھا کہ اس کا کیا مطالبہ ہے؟ اس نے قیدی کو اس وقت دیکھا تھا جب وہ ٹاپ دینے آیا تھا، اسی لئے اس کے ذہن میں اس کی شکل محفوظ تھی، لیکن اب وہ اسے فوراً ہی نہیں پہچان سکی مقدمہ کے دوران اس میں کافی تبدیلی آچکی تھی۔

بوڑھی عورت نے جلدی جلدی سے کہا ”وہ اور کوٹ“ جس کی قیمت آپ نے ادا نہیں کی۔“

بروٹو نے چند لمحہ اسے تعجب سے دیکھا اور تھوڑی دیر بعد جب اسے کچھ یاد آواز
اس نے آگلی سے پوچھا "میں آپ کا کتنے کا قرض دار ہوں؟"
"32 اسکوڑی کے" اس نے کہا "اس کا بل آپ کو دیدیا جائے گا۔"

اس پر بروٹو نے اس موٹے عمدے دار کی طرف دیکھا جو اس منفقہ کے دروازے
اس پر نگاہ رکھے ہوئے تھا اور اس سے پوچھا کہ کیا اسے معلوم ہے کہ اس کی کتنی رقم
مقدس آفس میں جمع کی گئی ہے! موٹے عمدے دار کو اس کا علم نہ تھا مگر اس نے وعدہ کیا
کہ وہ اسے معلوم کر کے بتائے گا۔

قیدی دوبارہ اس بوڑھی عورت کی طرف متوجہ ہوا اور یہ سوچتے ہوئے کہ اس کا
اصل مسئلہ تو ختم ہوا اس سے پوچھا کہ "آپ کے شوہر کے مزاج کیسے ہیں؟"
بوڑھی عورت جو قیدی کے اخلاق سے پریشان ہو چکی تھی، بڑبڑائی کہ اس کا شوہر
ٹھیک ہے، صرف یہ کہ تھوڑا بہت اس کے جوڑوں میں درد رہتا ہے۔

دو دن بعد وہ پھر مقدس عدالت کے آفس گئی اور بروٹو سے ملنے کی خواہش کی۔
اس کو ایک پار پھر ملنے اور بات کرنے کی اجازت مل گئی، لیکن اس بار اسے جھوٹے
سلاخوں گلی کڑکیوں والے کمرے میں قیدی کا کوئی ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا، کیونکہ وہ عدالت
میں تھا جب وہ واپس کمرے میں آیا ہے تو چہرہ سے بڑا تھکا ہوا لگ رہا تھا کمرے میں چونکہ
کوئی کرسی نہیں تھی اس لئے وہ دیوار کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا لیکن اس نے فوراً ہی
بوڑھی عورت سے مخاطب ہو کر بہت ہی کمزور آواز میں اسے بتایا کہ اس کے حالات اب
نہیں ہیں کہ وہ اور کوٹ کی قیمت ادا کر سکے، کیونکہ اس کا سامان جو مقدس عدالت میں دیا
ہے اس میں نقد رقم کچھ نہیں۔ لیکن اسے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں، کیونکہ فریگٹن
میں ایک پیشترنے اس کی کتابیں چھاپی ہیں جس کے پیسے اس نے اسے نہیں دے دیے ہیں بلکہ
مقدس عدالت سے درخواست کرے گا کہ اسے پبلشر کو خط لکھنے کی اجازت دے۔
آج اسے دوبارہ مقدمہ میں پیش ہونا ہے۔ اگرچہ وہ تھک چکا ہے اور اس کی حالت اب
دے چکی ہے۔ مگر اسے اپنا دفاع کرنا ہے، اسے ڈر ہے کہ وہ سوالوں کا جواب شاید ٹھیک سے
نہیں دے سکے۔

جب وہ بول رہا تھا تو بوڑھی عورت ہنسنے لگی تھی اس سے اسے دیکھ رہی تھی وہ اپنے

رض داروں کو خوب جانتی تھی جو پیسے دینے میں لیت و لعل کرتے تھے اور طرح طرح کے ہالے بتایا کرتے تھے۔

”جب تمہارے پاس اور کوٹ کے پیسے دینے کو نہیں تھے، تو تم نے اور کوٹ کس لئے سلویا تھا؟“ اس نے پوچھا۔

قیدی نے اس کی بات سن کر گردن ہلائی، اور یہ ظاہر کیا کہ وہ اس کی بات سمجھ گیا۔

”اس نے جواب میں کہا“ میں نے ہمیشہ کتابیں لکھ کر اور لکچر دے کر پیسے کمائے ہیں اس لئے میرا خیال تھا کہ میں جلد ہی کچھ پیسے کمالوں گا، اور کوٹ مجھے اس لئے چاہئے تھا کہ میرا ارادہ چھینوں میں باہر جانے کا تھا۔“ یہ اس نے بغیر کسی تنہی کے ساتھ کہا۔ وہ بوڑھی عورت کو تو اس جواب سے آگ لگ گئی، اور وہ غصہ سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے پیسے تو اب ڈوب گئے۔

اسی رات کو سوتے وقت اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ ”وہ کون بے وقوف ہو گا جو ایسے شخص کو پیسے بھیجے گا، جس پر انکوئزیشن میں مقدمہ چل رہا ہو۔“

اس کا شوہر تو اس بات پر ہی خوش تھا کہ اسے روحانی عمدے داروں نے سنا چھوڑ دیا، اور وہ اس پر پریشان تھا کہ اس کی بیوی بیسوں کی وصول یابی کے لئے ناحق کوشش کر رہی ہے۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا کہ ”اب اسے دوسری باتوں کے متعلق سوچنا چاہئے۔“

دوسرا مہینہ بھی ان کے ناخوش گوار مسائل میں کوئی تبدیلی لائے بغیر گزر گیا۔ جب جنوری کا مہینہ شروع ہوا تو پوپ نے جمہوریہ پر دہاؤ ڈالا کہ ملحد کو مقدمہ کی کارروائی کے لئے روم بھیجا جائے۔ اسی موقع پر اس بوڑھی عورت کو بھی مقدس آفس میں آنے کا دعوت نامہ ملا، چونکہ دعوت نامہ میں کسی خاص وقت کی پابندی کا ذکر نہیں تھا، اس لئے وہ ایک دن پہر دہل چلی گئی۔ اس وقت قیدی جمہوریہ کے سرکاری وکیل کا انتظار کر رہا تھا، جو کہ شہری کونسل کی جانب سے اس کے روم جانے کے خلاف اپیل کرنا چاہتا تھا۔

بوڑھی عورت کا استقبال اسی عمدے دار نے کیا کہ جس نے پہلی بار اس کی ملاقات کا ہونو سے انتظام کرایا تھا۔ عمدے دار نے اسے بتایا کہ قیدی کی اس سے ملنے کی خواہش

ہے لیکن اس وقت وہ اپنے مقدمہ کے سلسلہ میں ایک اہم گفتگو میں مصروف ہے، لہذا پہلے اس سے معلوم کر لیا جائے کہ وہ تم سے ملنے پر تیار ہے یا نہیں۔

عورت نے بھی مختصراً ”جواب دیجئے ہوئے کہا کہ ہاں ہاں ضرور معلوم کر لیا جائے۔ اس پر ایک آدمی فوراً ”باہر گیا“ اور جب وہ واپس آیا تو قیدی اس کے ہزاروں دونوں کی گفتگو اس اعلیٰ عہدے دار کے درمیان ہوئی۔

اس سے پہلے کہ بروٹو جو دروازے سے مسکراتا ہوا آیا تھا، کچھ کہتا، ”بوڑھی عورت فوراً“ بولی اگر آپ کا ارادہ چشموں میں کہیں جانے کا تھا“ تو پھر آپ نے یہ سب کچھ کمال کیا؟ چھوٹا آدمی تھوڑی دیر کے لئے پریشان ہو گیا، اس نے ان تین مہینوں میں اتنے سوالات کے جواب دیئے تھے کہ وہ فوراً ”کچھ نہ کہہ سکا“ اور اسے عورت کے ساتھ آخری ملاقات بھی زیادہ یاد نہ رہی تھی، اس نے اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

”مجھے کوئی رقم نہیں مل سکی۔ میں نے اس سلسلہ میں دوبار لکھا، مگر کوئی جواب نہیں آیا“ اس لئے میں نے سوچا ہے کہ آپ اور کوٹ واپس لے لیں۔“

”مجھے معلوم تھا کہ یہی ہونے والا ہے۔“ بوڑھی عورت نے حقارت سے کہا۔ ”اے ہم نے آپ کے ٹاپ کا بنایا تھا“ اور وہ دوسروں کے کس کام آئے گا۔“

بروٹو نے اندرونی اذیت محسوس کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا، میں نے یہ سب تک نہیں تھا۔“ وہ مقدس عہدے دار کی جانب مڑا اور اس سے مخاطب ہو کر کہا۔

”کیا میں اپنی تمام چیزیں فروخت کر کے اس کی رقم انہیں دے سکتا ہوں۔“ ”یہ ممکن نہیں“ اس عہدے دار نے کہا جو اسے بلا کر لایا تھا۔ ”اس پر تو جناب سوچے نیچو کا دعویٰ ہے، کیونکہ آپ ایک عرصہ تک ان کے خرچہ پر ان کے ہاں رہے تھے۔“

”اس نے مجھے دعوت دے کر بلایا تھا“ بروٹو نے جھٹکے ہوئے لہجہ میں کہا اس بوڑھے عہدے دار نے ہاتھ اٹھا کر خاموش رہنے کو کہا، اور بولا۔“

”اس وقت اور کوٹ یہاں نہیں ہے، اور میرا خیال ہے کہ اب اسے یہاں لایا جائے

”اس کا مطلب ہے کہ اب معاملہ پھر نئے سرے سے شروع ہو گا“ عورت غصہ

سے بولی۔
 بوڑھے عہدے دار کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور اس نے آہستہ آہستہ بولنے
 ہوئے کہا۔

”محترمہ! اگر آپ میں تھوڑی سی بھی عیسائیت کی روح موجود ہو تو اس بات کو
 سمجھیں کہ یہ لازم اس وقت ایک ایسے مقدمہ میں طوٹ ہے کہ جس میں اس کی زندگی اور
 موت کا سوال ہے۔ اس لئے آپ اس پر اصرار نہیں کر سکتیں کہ وہ صرف آپ کے
 اور کوٹ میں دلچسپی لے۔“

عورت نے اسے غصہ دار جھنجھلاہٹ کے ساتھ دیکھا مگر پھر فوراً ہی اسے خیال آیا
 کہ وہ کس جگہ ہے، وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور جانا چاہتی تھی کہ اس وقت قیدی نے آہستگی
 سے کہا کہ ”میرا خیال ہے کہ وہ یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتی ہے۔“

جب عورت اس کی طرف مڑی تو اس نے کہا۔ ”مجھے امید ہے کہ آپ مجھے معاف
 کر دیں گی۔ آپ یہ مت سوچئے کہ آپ کو نقصان برداشت کرنے دیں گا۔ میں اس سلسلہ
 میں عوامی عدالت سے اپیل کروں گا۔“

اس عرصہ میں وہ موٹا عہدے دار جو باہر چلا گیا تھا واپس آیا اور کہنے لگا۔
 ”اور کوٹ کسی بھی صورت میں واپس نہیں کیا جائے گا۔ جناب سوچے نیگو اسے
 ہر حالت میں لینا چاہئے ہیں۔“

یہ سن کر بروڈو کو سکتہ ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ قطعی لہجہ میں بولا۔
 ”یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں اس پر مقدمہ کروں گا۔“

بوڑھے عہدے دار نے اس پر اپنا سر ہلایا اور بروڈو سے مخاطب ہو کر بولا:
 ”آپ اپنی اس اپیل کو تیار کریں، جو آپ سرکاری وکیل سے مل کر کر رہے ہیں۔
 میں آپ کو یہاں زیادہ عرصہ کے لئے روکنا نہیں چاہتا کہ آپ چند اسکوڑی کی خاطر ان
 جھیلوں میں پڑیں۔“

یہ سن کر بوڑھی عورت کو سخت غصہ آگیا اور اس کے ضبط کا دامن چھوٹ گیا۔

”پندرہ سووی“ اس نے جھج کر کہا ”یہ ایک مہینہ کی کمائی ہے“ یہ آپ کے لئے دنوں نقصان نہ ہو، اور آپ اسے برداشت کر لیں، مگر ہمارے لئے ایسا نہیں۔“

اس لمحہ ایک راہب کمرے میں آیا اور زور سے بولا۔

”سرکاری وکیل آگیا ہے۔“

مولے عمدے دار نے بدلو کو ہاند سے پکڑا اور اسے باہر لے آیا، اس نے ہاتھ جاتے آخر وقت تک بوڑھی عورت کو دیکھا۔ اس کا دایا ہتلا چہرہ بالکل جیلا ہو گیا تھا۔

بوڑھی عورت پریشانی کے عالم میں عمارت کی پتھر والی سیڑھیوں سے اتر کر باہر آئی۔ وہ اس حد تک پریشان تھی کہ اس کے دماغ نے کام کرنا چھوڑ رکھا تھا۔ کچھ دن تک وہ اپنی دکان پر بھی نہیں گئی۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ بعد وہ موٹا عمدے دار اور کوٹ لے کر اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

آخری دنوں تک وہ صرف اور کوٹ کی خاطر لڑتا رہا، دوبار اس نے عدالت سے انکلی کی۔ اس وقت بھی جب کہ اس کے مقدمہ کی کارروائی جاری تھی وہ عدالت کے اعلیٰ عمدے داروں سے مقدمہ کے بجائے اور کوٹ کے مسئلہ پر بات کرتا رہا یہاں تک کہ آخر کار وہ کامیاب ہو گیا، اور موسے لیگو کو اور کوٹ واپس کرنا پڑا۔ ویسے میرا خیال ہے کہ اس وقت اسے اس اور کوٹ کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی ہوگی، کیونکہ اسی ہفتہ اسے روم لے جایا جا رہا ہے۔“

اور یہ سچ بھی تھا، کیونکہ یہ جنوری کے آخری دن تھے۔



انسانی مجسمہ

میں چارلس فرٹائر جو کہ فوج میں ایک سپاہی تھا، ویرجین کے علاقہ پر لندہ دفن ہونے کی وجہ سے مجھ میں یہ خصوصیت پیدا ہو گئی ہے کہ میں جب تک چاہوں غیر متحرک مجسمہ کی حیثیت سے کھڑا رہ سکتا ہوں۔ یعنی اس خفیہ کو موت سے پوچھسچوں نے جانچا اور یہ کہا ہے، اور انہوں نے اسے ایک ایسی بیماری قرار دیا ہے کہ جس کو بیان نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مرنی قیام کر خاندان کے ہیرونگار باپ کے لئے کچھ عطیہ جملہات کرتی ہے۔

ہم نے اس کھڑے ہوئے آدمی کی طرف ایک سکہ پھینکا اور انہوں نے اپنے سر کو جھکا دیتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

تو یہاں کھڑا ہے، ہم نے سوچا، سر سے پیر تک مسلح، ہزاروں سال سے نہ قلم ہونے والا فنی۔ وہ فنی کہ جس نے تاریخ کی تفصیل کی جس نے سکھار، سینہ اور نیپولین کو اس قتل بتایا کہ وہ بڑے بڑے کارٹے سرانجام دے سکیں، اور یہ کارٹے اب تک ہمیں تاریخ کی نصبی کتابوں میں پڑھائے جاتے ہیں اور یہ وہی شخص ہے کہ جو اب اپنی آنکھیں چمپکے کے قتل بھی نہیں ہے۔ یہ سائرس کا تیر انداز تھا، یہ کہنے سس کا رتھ جلائے والا تھا کہ جسے معراؤں کی رت بھی بیٹھ کے لئے دفن نہیں کر سکی، یہ سنہ کے دست کا فنی تھا، چمپیز خاں کے گھڑ سواروں میں سے تھا، لوئی چہاردہم کے موس خفاقی دست کا ایک فنی تھا، نیپولین کے ساتھ لڑنے والا تھا، اس میں یہ بیٹی خفیہ ہے کہ ان تمام تہذیبوں کے بلوغت کو جو اسے چاہ کرنے کے لئے کی گئیں، اس نے اپنے اندرونی جذبات کو ظاہر نہیں ہونے دیا، وہ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے، ایک چتر کی مانند، اب اس وقت بھی کہ جب اسے مرنے کے لئے بھیجا گیا۔ اگرچہ اسے ہر زمانہ کے ہیروں سے جن میں چتر، تہذیب، اور لوبا

شامل ہیں کچھ کے دئے گئے ارٹازر کس اور جنرل لندن ڈورف کے جنگی رتھوں کے نیچے کیا، ہٹی ہل کے ہاتھوں اور اٹلیا کے گھڑ سواروں کے نیچے دیا گیا، اور جب توپوں کی آواز ہوئی تو گولوں کے ذریعے اس کے جسم کے پرچے اڑائے گئے، منجبتیق کے چھوٹے اور راتقل کی گولیوں سے اسے چھلٹی کیا گیا لیکن ان تمام جلاہیوں کے باوجود وہ لافانی رہا اور مختصر زمانوں میں اسے بار بار لڑنے پر مجبور کیا جاتا رہا، اور وہ خود اس سے بے خبر رہا کہ اس سے کیوں اور کس لئے لڑوایا جا رہا ہے؟

یہ وہ نہیں تھا کہ جس نے مفتوحہ زمینوں پر قبضہ کیا ہو، بالکل اسی طرح سے کہ معمار گھر بناتا ہے مگر خود اس میں نہیں رہ سکتا ہے۔ اور نہ ہی حقیقت میں جس کر زمین اس نے دفاع کیا تھا۔ وہ اس کی تھی۔ اس کے تو وہ ہتھیار اور اسلحہ بھی اپنے نہیں تھے، جن سے وہ لڑا تھا۔

وہ موت کے لئے اس وقت بھی تیار کھڑا رہا جب کہ ہوائی جہاز بم گرا رہے تھے اس کے قدموں کے نیچے بارود کی مائنز تھیں، دیائیں اور مسٹرڈ گیس اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی، اور وہ وہاں کھڑا تھا — زندہ و ہوش و حواس کے ساتھ تھیں اور جویلین کے نشانہ کے لئے، ٹینکوں کی گولیوں کے لئے، گیس کو نکلنے کے لئے۔ جب کہ دشمن اس کے سامنے تھا اور جنرل اس کے پیچھے۔

وہ انجانے ہاتھ کے جنہوں نے اس کی جیکٹ تیار کی تھی۔ اس کے لئے اسلحہ اور جوتے بنائے تھے۔ اور وہ بہت سی جیبیں جو اس کی وجہ سے پیسے سے پر ہوئی تھیں اور دوا کی ہر زبان میں کہ جس کے ذریعہ اس کو آگے بڑھنے کے لئے اکسلیا گیا تھا۔ وہ کون سا ہاتھ تھا کہ جس نے اسے اپنے ساریہ عاطفت میں نہ لیا ہو۔ اور یہ وہ تھا جو اپنے جذبات کی خاموشی میں گھٹ کر رہ گیا۔

یہ کس قسم کا زندہ درگور ہوتا ہے، ہم نے سوچا کہ جس کی وجہ سے یہ ایک لکڑی بنیادی میں جکلا ہو گیا ہے کہ جو ڈرانے والی، وحشت ناک اور متعدی ہے۔ ہم نے خود سے سوال کیا کہ کیا یہ قابل علاج بھی ہے یا نہیں؟



تجربہ

فرانس بیکن کا شاندار کیہنر اس مثل کے مصداق اچانک ختم ہو گیا کہ جس میں کہا گیا ہے کہ ”جرم کے نتیجہ میں کچھ ملتا نہیں ہے“ حکومت کے اعلیٰ افسر ہونے کی حیثیت سے اسے بد عنوانی کے جرم میں پایا گیا اور بطور سزا جیل میں ڈال دیا گیا۔ حکومت نے جس طرح سے اس کے مقدمہ کو پیش کیا اور اس کو سزا سنائی وہ انگلستان کی تاریخ کے تاریک اور شرمناک واقعات سے ہے۔ لیکن اس کے بعد اس کی دنیا میں جو شہرت ہوئی وہ بحیثیت انسان دوست اور فلسفی کے ہوئی۔

جب اسے جیل سے چھوڑا گیا اور واپس اپنی جاگیر پر جانے کی اجازت ملی تو وہ بوڑھا ہو چکا تھا۔ اس کا جسم ان کوششوں کی وجہ سے کمزور ہو گیا تھا جو اس نے دوسرے لوگوں کو نقصان پہنچانے کے لئے کیں تھیں اور دوسرے لوگوں کی ان تلکینوں کی وجہ سے جو انہوں نے اسے تباہ کرنے کے لئے کیں تھیں لیکن جیسے ہی وہ واپس گھر پہنچا اس نے خود کو سائنسی تجربات کے لئے وقف کر دیا۔ اب تک وہ انسانوں پر قابو پانے میں ناکام ہو گیا تھا۔ اب اس نے کوشش کی کہ کس طرح سے انسانیت فطرت پر قابو پالے۔

اس کی تحقیقات عملی ہوتی تھیں اور اس نے اپنے مطالبہ اور تجربات کے لئے کھیتوں، باغات اور اسپتالوں میں جانا ہوتا تھا۔ وہ گھنٹوں سالوں سے اس موضوع پر گفتگو کرتا کہ پھلوں کے درختوں پر قلمیں کیسے لگائی جائیں؟ اور وہ ڈیری میں کام کرنے والے لڑکیوں کو ہدایات دیتا کہ کس طرح سے ہر گائے کے دودھ کی پیمائش کی جائے۔ اس دوران میں اس کا واسطہ اصطبل میں کام کرنے والے ایک لڑکے سے پڑا۔ ہوا یہ کہ ایک مرتبہ ایک گھوڑا بیمار پڑ گیا اور لڑکا دن میں دو مرتبہ اس کے بارے میں خبریں دینے لگا۔ وہ لڑکے کے جذبہ اور اس کے مشاہدے کی خوبی سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔

ایک شام کو وہ جب اسٹبل کے دورے پر آیا تو اس نے ایک بوڑھی عورت کو لڑکے سے مخاطب ہوتے ہوئے یہ کہتے ہوئے سنا،

”دیکھو خیال رکھنا، وہ ایک خراب آدمی ہے، وہ ایک بڑا امیر ہو گا، اور اس نے اپنی دولت بھی اٹکسی کر لی ہو گی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ خراب آدمی ہے، وہ تمہارا آقا ہے، اس لئے اس کا کلام تم ایمانداری سے کرو، مگر اس کو ہمیشہ ذہن میں رکھو کہ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔“

فلسفی نے لڑکے کا جواب سننے کی زحمت گوارا نہیں کی، کیونکہ وہ فوراً ہی پلٹا اور مگر چلا آیا، لیکن اس نے دیکھا کہ اس کے بعد بھی لڑکے کا رویہ اس کی طرف سے معمول کے مطابق رہا۔

جب گھوڑا ٹھیک ہو گیا تو وہ لڑکے کے ساتھ بہت سے دوروں پر گیا، اور اس نے اسے بہت سے معمولی کلم بھی سپرد کئے۔ اور پھر وہ اس لڑکے سے اپنے تجربات کے بارے میں بات کرنے لگا۔ ایسے موقعوں پر وہ اس بات کی کوشش نہیں کرتا تھا کہ اپنا مدعا آسان الفاظ میں بیان کرے، جیسا کہ عام طور سے بالغ لوگ بچوں کے ساتھ گفتگو کے وقت کرتے ہیں، اس کے برعکس وہ اس سے اس طرح سے مخاطب ہوتا تھا جیسے کہ وہ ایک تعلیم یافتہ فرد ہو۔ اپنی زندگی کے ان پچھلے برسوں میں اس کا رابطہ اپنے وقت کے ذہین اور بڑے لوگوں سے پڑا تھا، جو کہ اس کی بات کو کم ہی سمجھ پاتے تھے، اس وجہ سے نہیں کہ وہ اپنی بات واضح نہیں کر سکتا تھا، بلکہ اس لئے کہ اس کی بات بہت واضح اور صاف ہوتی تھی۔ اس لئے وہ لڑکے کی باتوں سے پریشان نہیں ہوتا تھا بلکہ جب وہ اپنی بات واضح نہیں کر پاتا تھا تو اس کی اصلاح کرتا تھا۔

لڑکے کے اہم فرائض میں سے یہ تھا کہ وہ فطرت کے عمل کا مشاہدہ کر کے اور جو کچھ دیکھے اسے بیان کرے۔ فلسفی اسے یہ بتاتا کہ کتنے الفاظ ہیں کہ جن کے ذریعہ وہ خالص قسم کی اشیاء کے بارے میں بتا سکتا ہے، اور کچھ الفاظ ایسے ہیں کہ جن کے استعمال کی اسے کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ وہ بے معنی ہو۔ مثلاً ”اچھا یا خوبصورت قسم کے الفاظ۔“

لڑکے نے فوراً اس کا اندازہ کر لیا کہ بھونرے کو برا کہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس طرح سے ”بھدی“ بولنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اسے

ہی چیز کے مشاہدے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ وہ دوسرے کیڑوں کے مقابلہ میں کس چیز سے حرکت کرتا ہے اور وہ یہ حرکت کرنے کے قتل کیوں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے اعلانِ سطح کے اوپر رکھ دو اور پھر شور کر کے دیکھو کہ اس کی وجہ سے وہ کس طرح حرکت کرتا ہے، فلسفی نے اسے بتایا کہ جب وہ اس قسم کے تجربات اس کے ساتھ کرے گا تو اس کی بد صورتی اچانک ختم ہو جائے گی۔

ایک مرتبہ اسے روٹی کے ٹکڑے کے بارے میں بتایا تھا کہ جو اس کے ہاتھ میں تھا، فلسفی نے اس سے کہل

اب اس جگہ تم ”اچھا“ کو استعمال کر سکتے ہو، کیونکہ روٹی لوگوں کے کھانے کے لئے ہوتی ہے، اس لئے یہ اچھی یا بری ہو سکتی ہے۔ مگر ان چیزوں کے لئے کہ جو فطرت نے پیدا کی ہیں، اور انہیں خاص قسم کے مقصد کے استعمال کیا جاتا ہے، اور خاص طور سے انہیں انسان کے لئے نہیں بنایا گیا ہے، تو ان چیزوں کے لئے اس قسم کے تعریف یا برائی کے الفاظ استعمال کرنا حماقت ہے۔

اس موقع پر لاٹکے کے اپنی وادی کے الفاظ کو جو اس نے عالی مرتبت فلسفی کے لئے کہے تھے یاد رکھئے۔

اس کے بعد سے اس نے چیزوں کو سمجھنے میں اور ان کی قدر تک پہنچنے میں بڑی جلدی ترقی کی، اور اس کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ ایک گھوڑا علاج کے بعد بہت جلد صحت مند ہو گیا، مگر ایک درخت علاج کے بعد بھی سوکھ کر خشک ہو گیا، اس کو اس کا بھی اندازہ ہو گیا کہ چیزوں کے مشاہدے میں کبھی بھی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی ہے، اور اس میں ہمیشہ شک و شبہ کا عنصر ضرور ہوتا ہے۔ اگرچہ لڑکا یکن کے سائنسی تجربات میں اس کے طریقہ کار کو تو نہیں اپناتا تھا، مگر وہ جو کچھ دیکھتا تھا، اس سے اس میں جذبہ و جوش ضرور پیدا ہو جاتا تھا۔

اور یہ وہ طریقہ کار تھا کہ جس کے ذریعہ اس نے فلسفی کو سمجھا تھا۔ اور اس کو محسوس ہوا تھا کہ ایک نیا دور شروع ہونے والا ہے، اور انسانیت روز اپنے علم میں اضافہ کر رہی ہے، اور یہ علم انسانیت کی خوش حالی اور مسرت کے لئے ہے۔ اس علم کے اضافہ میں سائنس سب سے زیادہ اہم ہے، کیونکہ سائنس اس کائنات کے بارے میں تحقیق کرتی ہے،

اور جو کچھ اس زمین پر ہے اس کے بارے میں جاننے کی جستجو ہے، اس میں درخت، پھلدار، مٹی، پانی اور ہوا سب ہی شامل ہیں۔ اور اس کا اولین مقصد یہ ہے کہ ان سے فائدہ سے زیادہ فائدہ حاصل کئے جائیں۔ اہم چیز یہ نہیں کہ تم کس چیز پر ایمان رکھتے ہو، بلکہ یہ ہے تم کیا جانتے ہو۔ لوگ بہت زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں، مگر ان کا علم بہت کم ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ آدمی کو ہر چیز پر تجربہ کرنا چاہئے اور کسی چیز کے بارے میں اس وقت زیادہ چاہئے کہ جب خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور یہ کہ ان میں کوئی فائدہ بھی تلاش کرنا چاہئے۔

یہ ایک نئی تعلیم تھی، اور اس کی جانب بہت سے لوگ، جوش اور جذبہ کے ساتھ متوجہ ہوئے تاکہ اس کے تحت وہ نئے منصوبوں کو عملی جامہ پہنا سکیں۔

اس تعلیم کو پھیلانے میں کتابوں نے بڑا حصہ لیا۔ اگرچہ ان میں بہت سی بنی خراب کتابیں بھی تھیں، لڑکے کو یہ احساس بھی ہوا کہ اگر اسے ان لوگوں میں شامل ہونا ہے کہ جو نئے نئے کام کر رہے ہیں تو اسے کتابیں پڑھنا ہوں گی۔

اگرچہ اسے کبھی یہ موقع نہیں ملا کہ وہ بیکن کی لائبریری سے مستفید ہو سکے کیونکہ اس کا کام عالی مرتبت امیر کے اصطبل کی خدمات سرانجام دینا تھیں۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا تھا کہ اگر عالی مرتبت کئی دن تک اصطبل میں نہیں آتے تو ان سے پارک میں ملاقات کر لیتا تھا، لیکن اس کی یہ خواہش بڑھتی رہی کہ وہ لائبریری میں جائے کہ جہاں ہر دلت دو تک لپ جتا رہتا تھا، اور کبھی کبھی وہ جھاڑیوں سے الماریوں میں رکھی کتابوں کی قطار کو دیکھ لیتا تھا۔

اس کے بعد سے اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسے پڑھنا چاہئے۔ لیکن یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ جب وہ اس درخواست کے ساتھ علاقہ کے پارٹی کے پاس گیا تو اس نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا کہ جیسے وہ ہاشمہ کی میز پر پڑی ہوئی کتاب کی مانند ہو۔

”کیا تم مقدس کتاب اپنے آقا کی گلیوں کے لئے پڑھو گے؟ اس نے بڑے تسنن سے پوچھا۔ اور لڑکا اس لحاظ سے خوش قسمت تھا کہ اسے مار نہیں پڑی۔ لہذا اب اسے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرنا تھا۔

چرچ میں عبادت کے وقت چسپ پادری دعائیں پڑھتا تھا تو اس وقت یہ زمان تھا کہ انیس غور سے سنا جائے اور حروف اور لفظوں کے درمیان رشتوں کو سمجھا جائے۔ اس کے بعد سے لڑکے نے ان لاطینی الفاظ کو یاد کرنا شروع کر دیا کہ جو عبادت کے وقت پادری ادا کرتا تھا، مگرچہ اس میں دقت یہ تھی کہ پادری اکثر الفاظ کو اس طرح ادا کرتا تھا کہ ان کا تلفظ سمجھ میں نہیں آتا تھا، لیکن ان مشکلات کے باوجود کچھ عرصہ بعد لڑکا اس قابل ہو گیا کہ وہ ان دعائیہ لفظوں کو دہرا سکتا تھا۔ اور ہوا یہ کہ ایک دن اس کے انچارج نے اسے یہ دعائیہ لفظ گاتے ہوئے سن لیا، اور اس نے سوچا کہ لڑکا شاید پادری کی نقل کر کے اس کا مذاق اڑا رہا ہے اس لئے اس نے اس کی پٹائی کر ڈالی اور اس طرح آخر کار اس کو سزا مل ہی گئی۔

ابھی اس کی تعلیم کا یہ سلسلہ جاری تھا کہ ایک نئی مصیبت آئی اور وہ یہ کہ عالی مرتبت امیر سخت بیمار پڑ گئے۔ وہ پورے موسم خزاں میں بیمار رہے یہاں تک کہ سردی کا موسم آگیا اور ایک دن وہ بھلی گاڑی میں بیٹھ کر کچھ میل کسی دوسری جاگیر میں گئے۔ اس موقع پر لڑکے کو ساتھ جانے کی اجازت مل گئی، اور وہ گاڑی میں کوچ بن کے ساتھ کھڑا تھا۔ جب وہ ہمسایہ کے جاگیردار سے ملاقات کے بعد واپس گاڑی میں سوار ہونے آ رہا تھا تو اس نے سردی سے ٹھہرا ہوا چڑا دیکھا جو کہ زمین پر بے حس پڑا تھا، اسے دیکھ کر وہ رک گیا اور اپنے بیت سے اسے الٹ پلٹ کر دیکھا۔

”یہ اس حالت میں کب سے پڑا ہے“ اس نے اپنے میزبان سے پوچھا

میر خیال ہے کہ ایک گھنٹہ بھی ہو سکتا ہے، اور ہفتہ بھی، میزبان نے جواب دیا۔

بوڑھا فلسفی خیالات میں ڈوبا ہوا، میزبان سے رخصت ہوا، اور مڑ کر لڑکے سے غلب ہو کر بولا، ڈک ”اس کا گوشت اب تک بالکل تازہ ہے۔“ والہی پر اندھیرا ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی سردی بھی بڑھ گئی، جب وہ اپنی حویلی میں داخل ہوئے تو اس وقت اتفاق سے ایک مرغی جو شاید ڈربے سے بھاگ کر آئی تھی گاڑی کی زد میں آئی، اگرچہ کوچ مین نے کوشش کی کہ اس کو نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھ جائے مگر بوڑھے امیر نے اسے گاڑی روکنے کو کہا۔ اور خود کوچ مین کی اس تنبیہ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہ سردی بہت ہے، گاڑی سے باہر نکل آیا، اور لڑکے کے سارے کے ساتھ اس جگہ پہنچا کہ یہاں مرغی پڑی ہوئی تھی، اس وقت تک وہ مر چکی تھی۔

بوڑھے امیر نے لڑکے سے کہا کہ وہ مرغی کو اٹھائے پھر اس سے مخاطب ہو کر کہا
اس کی انتہوں کو باہر نکل لو۔
”کیا یہ کام پلوہی خانہ میں ہو سکتا ہے؟“ کوچ مین نے کہا ”کیونکہ وہ دیکھ رہا تھا
بوڑھا سردی میں کھڑا ہے۔“

”نہیں“ اچھا یہی ہے کہ یہاں پر ہی ہو“ اس نے کہا ”میرا خیال ہے کہ ڈاک کے پاس
چانو ہو گا“ اور ہمیں تھوڑی سی برف بھی چاہئے۔“

لڑکے نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اس کو ہدایت دی مٹی تھی، بوڑھا امیر بھی اپنی ٹانگیں
بھول کر سردی کی پرواہ کئے بغیر جھکا اور تھوڑی سی برف لے کر بڑے احتیاط سے اسے دلی
کے پیٹ میں بھر دیا، لڑکا اب سمجھ چکا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ وہ اسے برف دیتا رہا یہاں
تک کہ مرغی پوری طرح سے اس برف میں دب گئی۔

”اب یہ ہتھوں تازہ رہے گی۔ بوڑھے امیر نے جوش سے کہا ”اب تم اسے تر تار
میں ٹھنڈے پتھر پر رکھ دینا۔“

اس کے بعد وہ لڑکے کے سہارے سے گھر کے دروازے تک گیا۔ اس پر اسے
سے وہ خاصہ تھکا تھکا معلوم ہو رہا تھا، جب اس نے دہلیز پر قدم رکھا ہے تو اس وقت وہ سردی
سے کپکپا رہا تھا۔

دوسرے دن وہ سخت بخار کی حالت میں تھا۔

لڑکے کو جب اس کی خبر ملی تو اس کی کوشش رہی کہ وہ اپنے استاد کی حالت کے
بارے میں باخبر رہے مگر اس میں اسے کم ہی کامیابی ہوئی۔ جاگیر پر زندگی معمول کے مطابق
رہی۔ ہاں تیسرے دن ایک تہذیبی ضرورت آئی کہ اسے مطالعہ کے کمرے میں بلایا گیا۔
بوڑھا آدمی لکڑی کے بستر پر کمبلوں میں لپیٹا ہوا لیٹا تھا۔ لیکن کمرے کی کھڑکی کھلی
ہوئی تھی، اور اس وجہ سے کمرہ خاصہ ٹھنڈا تھا اور بوڑھا آدمی خوشی کی حالت میں تھا اس
نے کانپتی ہوئی آواز میں برف سے لٹی ہوئی مرغی کے بارے میں دریافت کیا۔

لڑکے نے بتایا کہ وہ اب تک بالکل تازہ ہے۔

”بہت خوب“ بوڑھے آدمی نے کہا ”مجھے اس کے بارے میں دو دن بعد خبر دینا“
جب وہ واپس ہوا تو اس نے افسوس کے ساتھ سوچا کہ اسے مرغی کو اپنے ساتھ لانا چاہئے

فد اس کے خیال میں بوڑھا آدمی اس قدر بھی بیمار نہیں تھا جیسا کہ ملازمین اس کے بارے میں کہہ رہے تھے۔

ہر دوسرے دن وہ مرفی کی برف بدل دیتا تھا، اور مرفی اب تک خراب نہیں ہوئی تھی، اس بار جب وہ یہ رپورٹ دینے کے لئے بیمار کے کمرے میں جانے لگا تو اس کے سامنے کچھ مشکلات آگئیں۔ اس عرصہ میں دارالحکومت سے ڈاکٹر آچکے تھے، اور برآمدے میں خاموشی سے بولنے کی آوازیں، احکامات، اور ہدایات سنائی دے رہی تھیں اور بہت سے اہل خانہ چرے اوجھڑا کر حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔ ایک ملازم نے جس کے پاس کپڑے سے ڈھکی ایک ٹرے تھی اسے درمشی کے ساتھ وہاں سے چلے جانے کو کہا۔

اس دن صبح سے دوپہر تک اس نے کئی مرتبہ بیمار کے کمرے میں جانے کی کوشش کی۔ اس وقت تک اجنبی ڈاکٹر گھر میں آچکے تھے، وہ اسے نظر آتے جیسے کے کالے پنڈے ہوں جو کہ کمزور نحیف بیمار پر جھپٹ پڑے ہوں۔ شام ہوتے ہوتے وہ برآمدے کی ایک الماری میں چھپ گیا جو کہ بڑی سرد تھی، اور اس وجہ سے وہ سردی سے کانپتا رہا، لیکن وہ خوش تھا اور سوچ رہا تھا کہ مرفی کو ہر قیمت پر سرد جگہ میں رکھنا چاہئے، کیونکہ یہ تجربہ کے لئے انتہائی ضروری ہے۔

شام کے کھانے کے وقت سیاہ لباس میں ملبوس ڈاکٹروں کی قطار غائب ہو گئی اور اسے موقع مل گیا کہ وہ الماری سے نکل کر بیمار کے کمرے میں چلا جائے۔

بیمار آدمی اکیلا لیٹا ہوا تھا۔ کیونکہ ہر کوئی کھانے کے لئے گیا ہوا تھا۔ پڑھنے کے لئے لپ جس کی سبز روشنی بستر پر پڑ رہی تھی، اس کے قریب رکھا تھا، بوڑھے آدمی کا چہرہ خاص طور سے مرجھا گیا تھا اور سفید نظر آ رہا تھا، اس کی آنکھیں بند تھیں، لیکن اس کے ہاتھ چادر پر مسلسل حرکت کر رہے تھے۔ کمرہ بڑا گرم تھا، کیونکہ انہوں نے کھڑکیاں بند کر رکھی تھیں۔

لڑکے نے چند قدم بستر کی جانب بڑھائے اس کے ہاتھوں میں اس وقت بھی مرفی تھی، اور آہستہ سے کئی مرتبہ ان الفاظ کو دہرایا ”عالی جناب“ پر اس کو کوئی جواب نہیں ملا، بیمار سو نہیں رہا تھا، کیونکہ اس کے ہونٹ حرکت کر رہے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ بول رہا ہے۔

لڑکے نے بلا اثر فیصلہ کیا کہ وہ اس کو اپنی طرف متوجہ کرے، کیونکہ تجربہ کے لئے اسے مزید ہدایات کی ضرورت تھی، لیکن اس سے پہلے کہ وہ چادر کو ہٹاتا اور بات کرنا کسی نے اسے دور دار طریقہ سے کھینچا، ایک موٹا سا شخص اسے اس طرح گھور رہا تھا جیسے کہ اسے کوئی قاتل ہو، اس نے ایک ہی لمحہ میں خود کو اس کی گرفت سے چھڑایا، سرور مرنی کو اٹھایا اور کمرے سے بھاگ کھڑا ہوا۔

اس نے محسوس کیا کہ برآمدے میں اسے سیریشیوں سے اترے ہوئے ایک غلام نے دیکھ لیا ہے، وہ سوچنے لگا کہ وہ کس طرح اسے سمجھائے گا کہ یہاں پر وہ عالی مرتبت سے ملنے کے لئے ایک تجربہ کی وجہ سے آیا تھا، اور صورت حال یہ تھی کہ یوڑھا آدمی مکمل طور پر ڈاکٹروں کے قابو میں تھا۔ اس کا اندازہ اسے یوں تھا کہ اس کے کمرے کی تمام کونکلیاں بند تھیں۔

پھر اس نے دیکھا کہ ایک ملازم صحن کو پار کر کے اصطبل کی جانب جا رہا ہے۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس سے بچے، لہذا اس نے مرغی کو تہہ خانہ میں رکھ کر خود چارہ کے اہل لیٹ کر سو گیا۔ اسے ڈر تھا کہ اس عرصہ میں اس کی تلاش کی جارہی ہوگی اس وجہ سے رات کو اسے ٹھیک سے نیند نہیں آئی، اور اسی وجہ سے صبح کو وہ ڈرتا ہوا اپنی خفیہ جگہ سے نکل کر باہر آیا۔

لیکن اس کی جانب کسی نے کوئی توجہ نہیں دی۔ اس نے دیکھا کہ صحن میں لوگ ادھر سے ادھر آ جا رہے ہیں۔ عالی مرتبت امیر صبح ہوتے وقت پانچکے تھے۔

اس خبر کو سننے کے بعد لڑکے کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے اس کے سر پر کسی نے بھاری پتھر مار دیا ہو، اور اسے یوں محسوس ہوا کہ وہ اپنے استاد کے اس نقصان کی کبھی بھی جمانی نہیں کر سکے گا، اور جب وہ تہہ خانہ میں برف کا پیالہ لے کر گیا تو اس کا دکھ اور بھی زیادہ بڑھ گیا کیونکہ اس کا تجربہ ادھر وہی رہ گیا، اس کا دل بھر آیا اور اس کے آنسو ٹپ ٹپ کرنے لگے۔ اب اس نئی اور عظیم دریافت کا کیا ہو گا؟

وہ واپس صحن کی جانب گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ جیسے اس کے پیروں کے منجلیں میں زیادہ وزن ہو گئے ہیں۔ اور اس لئے اس نے برف میں پڑے ہوئے اپنے پیروں کے نشانوں کو غور سے دیکھا کہ یہ ویسے ہی ہیں یا بدلے ہوئے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ لندن کے بازار

میں نے نہیں تھے ان کی گاڑیاں ویسے ہی کھڑی تھیں۔

اگرچہ وہ ان کو پسند نہیں کرتا تھا، مگر پھر بھی اس نے سوچا کہ وہ اپنی دریافت کے بارے میں ان سے بات کرے وہ عالم لوگ ہیں اور یقیناً وہ تجربہ کی اہمیت کو تسلیم کریں گے۔ وہ سرد مری کے کہیں کو بغل میں دبا دے ہوئے خاموشی سے ایک جگہ چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ ایک موٹا شخص برآمد ہوا، وہ دیکھنے میں کوئی زیادہ پارعب نہیں لگ رہا تھا، اسے دیکھ کر لڑکا آگے بڑھا، پہلے تو اس کی آواز اس کے حلق ہی میں پھنس کر رہ گئی لیکن بلاخر وہ اپنی بات کو ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ادا کرنے کے قابل ہو ہی گیا۔

”جناب عالی!“ عالی مرتبت امیر نے چھ دن پہلے اس کو مردہ حالت میں پایا تھا، ہم نے اس میں برف بھری تھی، ان کا خیال تھا کہ اس طرح سے یہ تازہ رہے گی۔ آپ ملاحظہ کریں یہ اب تک تازہ ہے۔“

مونٹے آدی نے حیرانگی کے عالم میں اس بکس کو گھورا، اور اس سے پوچھا ”اور یہ کیا ہے؟“ لڑکے کے جواب میں کہا ”یہ اب تک خراب نہیں ہوئی ہے۔“

اوہ! مونٹے نے جواب دیا۔

”جناب آپ خود ملاحظہ کریں“ لڑکے نے اسے اکساتے ہوئے کہا۔

اچھا! اچھا! مونٹے آدی نے سر ہلاتے ہوئے کہا، اور پھر وہ آگے بڑھ گیا۔

لڑکا حیرانی کے ساتھ اسے جالتے ہوئے نکلتا رہا، وہ اس مونٹے آدی کو پوری طرح سے سمجھ نہیں پایا، اور وہ سوچنے لگا کہ کیا وہ بوڑھا آدی اس سردی میں بھی اس تجربہ کی خاطر کھڑا نہیں ہوا تھا؟ تو کیا اس نے خود اپنے ہاتھوں سے برف کو اکٹھا نہیں کیا تھا؟ یہ ایک حقیقت تھی۔

لڑکا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا ہوا تہہ خانہ تک گیا، مگر تھوڑی دیر باہر کھڑے رہ کر سوچنے کے بعد وہ باورچی خانہ کی طرف بھاگا۔ اس نے دیکھا کہ باورچی بڑا مصروف ہے وہ ممالوں کے لئے شام کا کھانا تیار کر رہا تھا۔

”تم اس مری کے ساتھ کیا کر رہے ہو؟“ اس نے پوچھتے ہوئے لڑکے سے سوال پوچھا یہ تو بالکل سرد ہے۔“

”اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا لڑکے نے کہا، عالی مرتبت آقا نے کہا تھا کہ اس سے

کوئی فرق نہیں پڑتا۔

باورچی نے خالی آنکھوں سے اسے مگھورا اور پھر بڑا قریبی بین ہاتھ میں لے کر دوازے تک گیا تاکہ کوئی چیز باہر پھینک دے۔

لڑکا بکس لئے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے گیا اور پھر اس سے التجا کرنے لگا کہ کیا اسے پکا سکتے ہو؟

اب باورچی کو غصہ آگیا اس نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے مرغی کو پکڑا اور اسے دروازے کے اچھل کر باہر پھینک دیا اور غراتے ہوئے چلایا۔ کیا تجھے اس کے علاوہ کچھ نہیں سوجھا اس وقت بھی کہ جب کہ عالی مرتبت آقا وقت پانچ بجے ہیں۔ لڑکے نے غصہ سے مرغی کو اٹھایا اور خاموشی سے چلایا۔

دو دن جینرو تکفین کی تیاریوں میں مگر مگھے اور اسے بہت سارا کام کرنا پڑا مگھوڑوں کو تیار کرنا اور پھر ان کی مالش کرنا، لیکن اس تھکاوٹ کے باوجود رات کو وہ باہر دھوا اور بکس میں تازہ برف بھر دیتا۔ اس وقت تک اسے ہر چیز بیکار اور فضول نظر آنے لگی تھی جس نے دور کی اسے خوشی تھی وہ اسے ختم ہوتا ہوا نظر آیا۔

لیکن تیسرے دن جو بکس کو دفن کرنے کا دن تھا اس دن وہ نہلیا دھوا اور بکس کے کپڑے پہنے۔ اس سے اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا۔ یہ ایک خوشگوار اور سہانی سردیوں کی تھی جب کہ چرچ کی گھنٹیوں سے پورا گاؤں گونج رہا تھا۔

نئی امید کے ساتھ وہ تہہ خانہ میں گیا۔ وہ دیر تک مردہ مرغی کو مگھور رہا اس نے اس میں کسی قسم کی خرابی نہیں دیکھی، اس کے جسم کا کوئی حصہ بھی سڑا یا گھلا ہوا نہیں تھا۔ اس نے احتیاط سے اسے بکس میں رکھا اور بکس صاف اور تازہ برف سے بھرا اور ہمارا بشل میں داب کر وہ گاؤں کی طرف روانہ ہو گیا۔

خوشی سے سہلی بجاتا ہوا وہ دلاوی لال کے باورچی خانہ میں داخل ہوا، چونکہ اس کے والدین جولاہی ہی میں مر گئے تھے اس لئے اس کی پرورش اس کی دلاوی نے کی تھی اس نے بوڑھی عورت کو بکس دکھائے بغیر اس واقعہ کی تفصیل بتائی جو کہ عالی مرتبت آقا نے تجربہ کے لئے کی تھیں۔

”لیکن یہ تو ہر کوئی جانتا ہے، عورت نے اس کی بات سن کر کہا، سردی میں یہ“

ہو جاتی ہیں اور کچھ وقت کے لئے انہیں تازہ رکھا جاسکتا ہے، اس میں ایسی خاص بات کیا

ہے۔
”میرا خیال ہے کہ تم اسے اس وقت بھی کھا سکتی ہو“ لڑکے نے جواب دیا اور ظاہر کیا کہ جیسے یہ کوئی خاص بات واقعی نہ ہو۔

”ایک ہفتہ کی مری ہوئی مرثی کو کھلایا جائے، یہ تو اب تک زہریلی ہو چکی ہوگی۔“
”اگر یہ اپنے مرنے کے بعد سے اب تک ذرا بھی نہیں بدلی، تو پھر یہ کیوں زہریلی ہوگی؟ یہ صحت مند تھی اور عالی مرتبت کی گاڑی میں آکر حادثہ میں مری ہے۔“

لیکن اندر سے یہ خراب ہو چکی ہے، بوڑھی عورت نے غصہ سے کہا۔ ”لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا نہیں ہے“ لڑکے نے یقین سے کہا اور اس نے چمکیلی آنکھوں سے مرثی کو دیکھا۔ ”اس کے اندر تمام وقت برف بھری رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے پکایا جائے۔“

یہ سن کر بوڑھی عورت کو واقعی غصہ آگیا، اور اس سے خطاب ہو کر بولی تمہیں میرے ساتھ قبرستان چلنا ہے، عالی مرتبت آقا تمہارا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، لہذا تمہارا فرض ہے کہ تم ان کے تابوت کے پیچھے ادب کے ساتھ چلو۔

لڑکے نے کوئی جواب نہیں دیا، جب کہ وہ اپنے کالے اون کے رومال کو اپنے سر پر باندھ رہی تھی۔ لڑکے نے مرثی کے اندر ٹھسی ہوئی برف کو باہر نکالا اور برف کے آخری ٹکڑے کو جھکا دے کر پھینکا اور چولے کے سامنے پڑے ہوئے لکڑی کے گھٹوں پر اسے رکھ دیا تاکہ وہ گرم ہو جائے۔

بوڑھی عورت نے اس کی ان حرکتوں پر کوئی خاص توجہ نہیں دی، جیسے ہی وہ تیار ہوئی، اس نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر دروازے سے باہر چلی گئی، تھوڑی دیر تک تو وہ اس کے ساتھ فریال برداری کے ساتھ چلا۔ راستہ میں انہیں اور لوگ ملے جو کہ قبرستان جا رہے تھے۔ اچانک اس نے درد کے مارے ایک چیخ ماری۔ اس کا ایک پاؤں برف میں پھنس گیا تھا۔ اس لئے اسے بڑی مشکل سے باہر نکالا، اور لنگڑا ہوا میل کے لئے گئے پتھر تک گیا اور وہاں بیٹھ کر اپنا پیر سہلانے لگا۔

”مجھے بڑی تکلیف ہو رہی ہے“ اس نے کہا
بوڑھی عورت نے اسے شک کی نظروں سے دیکھا اور کہنے لگی۔ ”مگر تم ٹھیک

ٹھاک جلیں سکتے ہو۔“
”میں“ اس نے اسی سے کہا، اگر تمہیں یقین نہیں ہے، تو تم ٹھیک ہوئے۔

میرے پاس بیٹھ جاؤ۔“
بوڑھی عورت ایک لفظ کے بغیر اس کے پاس بیٹھ گئی اور اس طرح چند منٹ گزر گئے، ان کے سامنے سے گھڑوں کے لوگ گزرتے رہے، اور وہ دونوں سڑک کے کنارے بیٹھے رہے۔

کچھ دیر بعد بوڑھی عورت نے سنجیدگی سے کہا، ”کیا اس نے تم سے یہ نہیں کہا تھا کہ جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔“

لڑکے نے کوئی جواب نہیں دیا، عورت کھڑی ہو گئی۔ کیونکہ اس کے لئے سڑک ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔

”اگر تم دس منٹ میں میرے پیچھے نہیں آئے تو میں تمہارے بھائی سے شکایت کروں گی اور وہ تمہیں مار مار کر ٹھیک کر دے گا۔“

اس کے بعد وہ لڑکھڑائی ہوئی چل دی، وہ دفن کے وقت کی تقریر کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

لڑکا اسی طرح بیٹھا رہا، جب اس نے دیکھا کہ وہ زیادہ دور چلی گئی ہے تو وہ آہستہ سے اٹھا، اس نے پلٹ کر دو ایک بار دیکھا، اور تھوڑی دور تک نظر ڈالتا ہوا چلا جب ایک چھاڑی نے اسے بوڑھی عورت کی نظروں سے چھپایا، تو اس نے معمول کے مطابق چٹا شروع کر دیا۔

گھر جا کر وہ مرنے کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا، اس نے ارادہ کیا کہ وہ اسے برتن میں اہل لے اور اس کی ایک ٹانگ کھا کر دیکھے اس سے اندازہ ہو جائے گا کہ وہ زہریلی ہے یا نہیں۔

وہ اسی طرح سے بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے تین مرتبہ توپ کے چلنے کی آواز سنی ہے فرانس بیکن، دیوالم کے ہیرن، سینٹ الین کے واکس کاؤنٹ، اور سابق لارڈ چاسٹر کے اعزاز میں تھیں۔ اس نے اپنے چند ہم عصروں کے دل میں اپنے لئے نفرت ہی پیدا نہیں کی، بلکہ کچھ دلوں میں سائنسی تجربات کا ذوق و شوق بھی پیدا کیا۔

”کے“ کی کہانیاں

ٹھہر جانا سب سے بڑی دانشمندی ہے

جناب ”کے“ کے پاس فلسفہ کا ایک پروفیسر آیا، اور ان کے سامنے اپنی دانش مندی کی باتیں کرنے لگا، تھوڑی دیر بعد جناب کے نے اس سے کہا۔ ”آپ بے چینی کے ساتھ بیٹھے ہیں۔ جلدی جلدی بولتے ہیں اور پریشانی کے عالم میں سوچتے ہیں۔“
فلسفہ کا پروفیسر قصہ میں آگیا اور بولا ”میں اپنے بارے میں جانتا نہیں چاہتا بلکہ اس مواد کے بارے میں سننے چاہتا ہوں جو کچھ کہ میں نے کہا ہے۔“

”لیکن آپ نے جو کچھ کہا اس میں تو کوئی مواد ہی نہیں ہے“ جناب کے نے کہا ”جب میں آپ کو قائلین پر چلا ہوا دیکھتا ہوں، تو مجھے آپ کی کوئی منزل نظر نہیں آتی اور جو باتیں آپ کرتے ہیں، اس میں سوائے اندھیرے کے کوئی روشنی نہیں ہے۔ اور جب آپ چلنے چلنے رک جاتے ہیں تو پھر مجھے آپ سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی۔“

تنظیم

جناب کے نے ایک مرتبہ کہا ”سوچنے والا نہ تو کبھی زیادہ روشنی استعمال کرتا ہے نہ زیادہ کھاتا ہے، اور نہ ہی زیادہ سوچتا ہے۔“

ظلم

ایک مرتبہ جناب کے نے ایک نشست میں ظلم کے خلاف لوگوں کے سامنے بہت کچھ کہا، تھوڑی دیر بعد انہوں نے دیکھا کہ آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے لوگ جانا شروع

ہو گئے، انہوں نے ادھر ادھر دیکھا تو ان کے پیچھے ظلم کھڑا تھا۔

”تم ابھی ابھی کیا کہہ رہے تھے“ اس نے سوال کیا۔

”میں ظلم کے خلاف بول رہا تھا، جناب کے نے کہا۔

بعد میں ان کے شاگردوں نے ان کی پیٹھ کی حالت کے بارے میں پوچھا تو جناب کے نے کہا ”میری کوئی پیٹھ ہی نہیں کہ جس پر کوئی کوڑے مارے۔ میں ظلم کے مقابلہ میں زیادہ عرصہ زندہ رہوں گا۔“

اس کے بعد جناب کے نے مندرجہ ذیل کہانی سنائی۔

جناب ایگے کہ جن کی عادت تھی کہ وہ کبھی کسی بات سے انکار نہیں کرتے تھے ایک دن ان کے پاس ایک شخص آیا، اور انہیں ایک قرآن دکھایا کہ جس کے تحت شرعے حاکم نے یہ حکم دیا تھا کہ ”وہ شخص جس گھر میں قدم رکھ دے، وہ گھر اس شخص کا ہو جائے گا اور جس کھانے کی وہ خواہش کرے گا وہ اسے میسا کیا جائے گا۔ اور جس شخص سے بھی خدمت کا کہے، اسے اس کی خدمت کرنا پڑے گی۔“

قرآن دکھانے کے بعد وہ شخص کرسی پر بیٹھ گیا اور کھانے کی خواہش کی۔ کھانے کے بعد وہ دیوار کی طرف منہ کر کے سونے کے لئے لیٹ گیا اور بولا میری خدمت کرو۔

جناب ایگے نے اس پر کبیل ڈال دیا، اور اس پر سے کھیاں اڑانے لگے جب تک وہ سوتا رہا، یہ جانتے رہے۔ اس طرح انہوں نے سات سال تک اس کی خدمت کی، اس دوران میں اس نے ایک لفظ بھی بھلائی کا نہیں کہا، اچھے کھاؤں، آرام اور حکم چلانے کی وجہ سے وہ شخص موتا ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ مر گیا۔

جناب ایگے نے اسے گندے کبیل میں لپیٹاں اور گھر سے باہر پھینک دیا، اس کے بعد انہوں نے اپنا گھر دھویا، دیواریں صاف کیں، اور اطمینان کا سانس لے کر جواب دیا ”نہیں“

اہل علم

وہ لوگ جو کہ علم کے بوجھ کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ انہیں اس بات کی ضرورت نہیں کہ وہ جدوجہد کریں، سچ بولیں، خدمت کریں۔ کسی بات کو جانیں اور اپنی عزت و آقا

نہیں۔ جو علم کے بوجھ کو اٹھاتا ہے وہ تمام اچھائیوں میں سے صرف ایک کا حامل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ وہ علم کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ یہ جناب کے لئے کہا۔

کھانا کس لئے؟

جناب کے لئے بیان کیا کہ ہر صبح میرا ہسپتہ گراموفون پر موسیقی بجاتا ہے۔ وہ موسیقی کیوں بجاتا ہے؟ میں سنتا ہوں جب کہ وہ ورزش کرتا ہے۔ وہ ورزش کیوں کرتا ہے؟ کیونکہ اسے توانائی کی ضرورت ہے، اسے توانائی کی کیوں ضرورت ہے؟ تاکہ شہر میں وہ اپنے دشمنوں پر غلبہ پاسکے، وہ دشمن پر غلبہ کیوں پانا چاہتا ہے؟ میں نے اس کی یہ دلیل سنی کہ اس طرح سے وہ اپنے لئے خوراک حاصل کر سکے گا۔

جناب کے لئے اس پر کہا کہ ان کا ہسپتہ اس لئے موسیقی بجاتا ہے تاکہ وہ ورزش کر سکے، ورزش اس لئے کرتا ہے تاکہ توانائی حاصل کر سکے۔ توانائی اس لئے حاصل کرنا چاہتا ہے تاکہ دشمن کو مغلوب کر سکے، دشمن کو مغلوب کرنا چاہتا ہے تاکہ خوراک حاصل کر سکے۔

اس پر انہوں نے یہ سوال اٹھایا کہ ”آخر وہ کھانا ہی کیوں کھاتا ہے؟“

رشوت نہ دینے کا فن

ایک شخص جس کی شہرت تھی کہ وہ رشوت نہیں لیتا ہے، اس کا تعارف جناب کے لئے ایک تاجر سے کرایا، دو ہفتہ بعد وہ تاجر جناب کے پاس آیا اور پوچھنے لگا کہ تمہارا رشوت نہ لینے سے کیا مطلب ہے۔“

جناب کے لئے جواب دیا ”جس آدمی سے میں نے تمہارا تعارف کرایا، اس کی شہرت ہے کہ وہ رشوت نہیں لیتا ہے، اس کا مطلب ہے کہ تم اسے رشوت نہیں دے سکتے ہو“ ”اچھا“ تاجر نے اداسی کے ساتھ کہا ”مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ میرے دشمنوں سے رشوت نہ لے لے۔“

”اس کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا“ جناب کے لئے خشکی کے

جواب دیا۔

”اگرچہ وہ شخص باتیں تو بڑی کرتا ہے، مگر میں اسے رشوت دے چکا ہوں“ بنو نے تلخی سے کہا۔

جناب کے زور سے ہنسنے اور بولنے ”لیکن مجھ سے تو وہ رشوت نہیں لے رہا۔“

قوم پرستی

جناب کے اس بات پر یقین نہیں رکھتے کہ کسی ایک خاص ملک ہی میں رہا جائے ان کا کہنا ہے کہ ”میں ہر جگہ بھوکا رہ سکتا ہوں“ ایک مرتبہ وہ ایک ایسے شہر سے گزر رہے دشمنوں کے قبضہ میں تھا اور انہوں نے وہاں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک دن وہ معزز شہر کے راستہ پر جا رہے تھے کہ دشمن فوج کے افسر نے انہیں مجبور کیا کہ وہ راستہ چھوڑ دیں۔ جناب کے فٹ پاتھ سے تو نیچے اتر آئے، مگر انہیں اس افسر اور اس کے ملک پر براغیر کیا اور ان کی شدید خواہش ہوئی کہ وہ ہر چیز کو تحس و تحس کر دیں۔

”میں کیوں اس لمحہ قوم پرست بن گیا؟ جناب کے لئے سوا کیا“

”اس لئے کہ میرا مقابلہ ایک دوسرے قوم پرست سے ہوا انسان جب حقائق سے ٹکراتا ہے تو اس سے بھی حقائق سرزد ہونے لگتی ہیں“

کیا خدا ہے؟

کسی نے جناب کے سے سوال کیا کہ کیا خدا کا وجود ہے، جناب کے لئے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ”میں تمہیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تم ذرا سوچو کہ کیا تمہاری حالت اس سوال کے جواب سے بدلے گی، اگر یہ نہیں بدلتی ہے تو ہم اس سوال کو اسی طرح چھوڑ دیں گے۔ لیکن اگر یہ بدلتی ہے تو میں تمہاری کم از کم اتنی مدد کر سکتا ہوں کہ تم سے کہوں کہ تم نے خود یہ فیصلہ کر لیا ہے اور تمہیں ایک خدا کی ضرورت ہے۔“

بھوک

جناب کے نے وطن کے بارے میں ایک سوال کا جواب دیا تھا کہ ”میں ہر جگہ بھوکا رہ سکتا ہوں“ اس پر ان کے ایک سامع نے سوال کیا کہ وہ کس طرح ایک ایسی جگہ بھوکے رہ سکتے ہیں کہ جہاں حقیقت میں کھانے کے لئے موجود ہو۔
جناب کے نے خود کو صحیح ثابت کرتے ہوئے اس طرح جواب دیا کہ۔

”میرا خیال ہے کہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں ہر جگہ رہ سکتا ہوں، اگر مجھ میں زندہ رہنے کی خواہش ہو، چاہے وہاں پر بھوک کی حکومت ہو۔ میں مانتا ہوں کہ یہاں ایک بڑا فرق ہے کہ کیا میں بھوکا رہوں، یا میں وہاں زندہ رہوں جہاں بھوک کی حکمرانی ہو۔ لیکن میں معافی کے ساتھ یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جہاں بھوک کی حکمرانی ہو وہاں بھوکا رہنا اتنا برا نہیں کہ جتنا زندہ رہنا۔ شاید دوسروں کے لئے یہ اہم نہ ہو کہ میں بھوکا ہوں، لیکن میرے لئے یہ ضروری ہے کہ میں اس کے خلاف رہوں کہ بھوک کی حکمرانی کیوں ہے!“

بے یار و مددگار لڑکا

جناب کے نے ایک مرتبہ اس خرابی اور ناانصافی کے بارے میں کہ جس پر خاموش رہا جائے اور جو انسان کو اندر ہی اندر کھا جائے یہ کہانی سنائی کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے گزرتے ہوئے ایک بچے کو روٹے ہوئے دیکھا اور اس سے اس کی تکلیف کی وجہ دریافت کی۔ بچے نے کہا کہ اس نے سینما جانے کے لئے دو سکے جمع کئے تھے کہ ایک نوجوان آیا اور میرے ہاتھ سے ایک سکہ چھین کر لے گیا، یہ کہہ کر اس نے اشارہ سے اس نوجوان کو بتایا جو دور جانا دکھائی دے رہا ہے۔

”کیا تم مدد کے لئے نہیں چلائے!“ آدمی نے سوال کیا۔

”ہاں ہاں“ لڑکے نے روتے ہوئے کہا۔

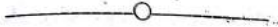
”کیا تمہاری چیخ و پکار کسی نے نہیں سنی“ اس آدمی نے محبت سے اس سے پوچھا۔

”نہیں“ بچے نے رو کر کہا۔

”کیا تم اور زور سے نہیں چیخ سکتے!“ آدمی نے سوال کیا۔

..... "نہیں" بچے نے جواب دیا، "اور آدمی کو پر امید نگاہوں سے دیکھا اس پر دلا کوئی

نہی۔
 "تب تم دوسرا مکہ بھی زیدو" اس نے یہ کہہ کر بچے سے مکہ چھینا اور اسی
 سے چل دیا۔



جنگ بلقان

ایک بوڑھا آدمی سفر پر روانہ ہوا، راستہ میں اس پر چار نوجوانوں نے حملہ کیا اور اس کا سالن لوٹ لیا، غم زدہ بوڑھا آگے روانہ ہوا، تھوڑی دُور جا کر اس نے گلی کے کونے پر حیرانی کے ساتھ دیکھا کہ ان چار لڑکوں میں سے تین اپنے ساتھی پر ٹوٹ پڑے اور اس سے اس کے حصہ کا ہل چھین لیا، اور اسے مار کر ایک طرف گرا دیا۔ بوڑھے آدمی کو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی اور وہ تیز چلتا ہوا قریبی شہر میں گیا اور فوراً "عدالت میں گیا تاکہ اپنا مقدمہ دائر کرے۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ چاروں نوجوان برابر برابر کھڑے ہیں، اور اس کو مورد الزام ٹھہرا رہے ہیں۔ واقعہ سن کر عقل مند اور انصاف پسند جج نے مندرجہ ذیل فیصلہ سنایا:

"بوڑھے آدمی کو چاہئے کہ اپنی آخری چیز بھی ان نوجوانوں کو دیدے ورنہ یہ چاروں نوجوان بے اطمینانی کی وجہ سے ملک میں بد امنی اور انتشار پھیلائیں گے۔"



جرمن میوزیم کی مختصر سیر

آداب عرض

اوپ!

تو پھر کیا آپ نہیں پڑھ سکتے کہ آج فلکیات کا شعبہ بند ہے۔
وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر دیکھئے میں صرف ایک دن کے لئے یہاں ہوں۔
اور آج ہی آپ فلکیات کا شعبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

جی ہاں۔

جو کہ آج بند ہے۔

اچھا! تو کیا میں ڈائریکٹر سے مل سکتا ہوں۔

ہوں، تو آپ ڈائریکٹر سے ملنا چاہتے ہیں، ویسے آپ ان سے ملنے کے بعد کیا کریں گے؟
میں صرف یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ شاید ڈائریکٹر صاحب کچھ کر سکیں۔
آپ بڑا راستہ چھوڑ کر کھڑے ہوں، ویسے میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ ڈائریکٹر
صاحب بھی کچھ نہیں کر سکتے۔

آداب عرض۔

اوپ!

کیا آپ ہی ڈائریکٹر ہیں۔

جی ہاں! فرمائیے! آپ کیا چاہتے ہیں!

معاف کیجئے! میں چاہتا ہوں کہ شعبہ فلکیات جو آج بند ہے، اس کو دیکھوں۔
آخر کس لئے!

میں اس موضوع پر کچھ کام کر رہا ہوں، میں ایک ادیب ہوں۔
اچھا تو آپ ادیب ہیں۔ آپ کا نام کیا ہے؟

2004

1988

2012-13

4/11/21 20:11

200

$\frac{1}{x^2} = x^{-2}$

— ११३ —

24. 25. 26.

طاہر، اگر یہ آغوش کیوں ملے، مجھے صرف ایک پرکھدار کی ضرورت ہو گی جو

میرا مقصد صرف یہ ہے کہ میں تم کو یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اور یہ میوزیم صرف

۱۰۔ "ہم" کے لیے جس بات کو گواہی دے رہے ہیں اس کا "ہم" کا مطلب ہے جو کسی ایسے کام کے

2019-2020

وہاں پر انگریزوں کی فوجیں بھی تھیں وہاں پر تھے۔

۱- اگر کسی کو کھانا پکانا ہو تو اسے

یہاں پر ایک بڑی سیڑھی تھی۔

212

1944

9. $\frac{1}{2} \times \frac{1}{2} = \frac{1}{4}$

آپ کا جواب دیکھ کر میں نے

11

یہ اہل ذلیل و خوار ہے کہ معاملے "پیار جانے کا راستہ" لکھا ہے۔

(Faint handwritten notes)

44

فقیر اور مردہ کتا

ایک دروازہ۔ اس کے دائیں جانب چتھڑوں میں لپٹا ہوا ایک فقیر بیٹھا ہے کہ جس کے سر کے بال سفید ہو چکے ہیں۔ چتھڑوں میں اس نے ایک باجے کو چھپا رکھا ہے۔ صبح کا وقت ہے۔ توپ کا گولہ چلتا ہے۔ ایلیج بادشاہ منہ سپاہیوں کے داخل ہوتا ہے۔ اس کے لمبے سرخ بال کھلے ہوئے لہرا رہے ہیں۔ وہ ارغوانی لباس میں لپٹا ہوا ہے گھنٹیاں بچ رہی ہیں۔

بادشاہ :

میں اپنے سب سے بڑے دشمن پر فتح کی خوشیاں منانے چلے والا ہوں۔ اور اس وقت جب کہ پورے ملک میں خوشبو کے ساتھ ساتھ میرا نام منک رہا ہے۔ اس وقت یہ فقیر بدلو میں لپٹا ہوا میرے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے۔ بہر حال اپنی مصروفیات کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ اس شخص سے کہ جس کی کوئی حیثیت نہیں، کچھ دو چار باتیں کر لوں۔ (سپاہی پیچھے ہٹ جاتے ہیں) اودہ بد نصیب! تجھے پتہ ہے کہ یہ گھنٹیاں کیوں بج رہی ہیں؟ ہاں! کیونکہ میرا کتا مر گیا ہے۔

فقیر :

کیا بے شرمی ہے۔

بادشاہ :

فقیر :

میں، بوڑھے کی وجہ سے مرا ہے۔ اس نے آخر وقت تک غلط کیا؟ جب اس کی ٹانگیں کانپ رہیں تھیں، تو میں نے سوچا کہ ایسا کیوں ہے؟ اس نے آگلی دو ٹانگیں میرے سینہ پر رکھ دیں۔ اور اس طرح ہم نے پوری رات گزار دی، حالانکہ رات میں سردی بڑھ گئی تھی، صبح ہوتے ہوتے وہ مر چکا تھا، میں نے اسے خود سے لپٹایا۔ اب میں گھر بھی نہیں جاسکتا کیونکہ وہ گلنا اور سڑنا شروع ہو گیا ہے اور اس میں سے بدبو آئے

لگی ہے۔

تم اسے پھینک کیوں نہیں دیتے۔

بادشاہ :

فقیر :

اس سے تمہیں کیا۔ تمہارا سینہ اتنا ہی خالی معلوم ہوتا ہے جیسے کہ بالی کا سوراخ اور تم بڑے بیوقوفانہ سوالات پوچھ رہے ہو۔ جس کو دیکھو ایسے ہی احمقانہ سوالات کرتا ہے، آخر یہ سب سوالات کیوں؟

بادشاہ :

اس کے باوجود میں تم سے ایک سوال اور کروں گا۔ تمہیں کھانا کون دیتا ہے؟ کیونکہ اگر تمہیں کوئی کھانا نہیں دیتا تو تم اس سے جگہ چلے جاتے۔ یہاں لاشوں کو مرنے کی اجازت نہیں، اور نہ ہی اس بات کی اجازت ہے کہ کوئی شور مچائے۔

کیا میں چیخ رہا ہوں؟

فقیر :

بادشاہ :

دیکھا ! اب تم خود سوال پوچھ رہے ہو، اگرچہ اس میں طعنے چھپا ہوا ہے، اور اس کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔

فقیر :

بادشاہ :

مجھے معلوم نہیں، مگر یہ میرا معاملہ ہے۔ میں تمہیں نہیں سن رہا ہوں، مگر مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے لئے کھانا کون لاتا ہے؟

فقیر :

یہاں کبھی کبھی ایک لڑکا آتا ہے جس کا باپ کوئی فرشتہ ہے اور اس کی ماں کھیتوں سے آلو چنتی ہے۔

بادشاہ :

فقیر :

کیا تمہارے کوئی لڑکے نہیں ہیں؟ وہ سب کے سب چلے گئے۔

بادشاہ :

فقیر :

شہنشاہ مللی کی فوج کی طرح کہ جو سب کے سب ریت میں دفن ہو گئے۔ جب اس نے ریگستان میں مارچ شروع کیا تو اس کے آدمیوں نے اس سے کہا: یہ سفر بڑا دشوار ہے، بہتر ہے کہ واپس ہو جائیں۔ مگر اس نے ہر دفعہ یہی جواب دیا: کہ اس ملک کو ضرور فتح کرنا چاہئے۔ چنانچہ وہ ہر روز مارچ کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے جوتے پھٹ گئے اور کھال سکڑ کر ان کی ہڈیوں پر چسپ کر رہ گئی، مگر وہ گھٹنوں کے بل چلتے رہے یہاں تک

کہ ایک دن طوفان نے ایک اونٹ کو چلنے والوں کی آنکھوں کے سامنے گر
لایا اور وہ مرگیا۔ ایک دن وہ بھگستان تک جا پہنچے اور کئے لاکھ
ہمارے گھر بھی ایسے ہی ہیں۔ پھر شہنشاہ کا چھوٹا لڑکا حوض میں گرا اور ڈوبا
مرگیا۔ سات دن تک انہوں نے اس کا ماتم کیا، ان کا رنج نہ ختم ہوا
تھا۔ ایک دن انہوں نے دیکھا کہ لن کے گھوڑے مرنا شروع ہو گئے ہیں۔
ایک دن ان کی عورتیں اس قاتل نہ رہیں کہ وہ ٹیک قدم بھی اٹھا سکیں۔
آخر ایک دن ہوا چلی اور رات نے ان سب کو اپنی آغوش میں چھپایا اور
پھر اس کے بعد بالکل خاموشی ہو گئی، وہ ملک لن کا تھا، مگر میں اس کا نام
بول رہا ہوں۔

بادشاہ: یہ سب کچھ تم نے کہاں سے سنا ہے؟ یہ سب کچھ غلط ہے۔ واقعات
اس سے بالکل مختلف ہیں۔

فقیر: اگر وہ اس قدر طاقت ور ہو جائے کہ میں اس کے سامنے بچہ کی لڑائی
کمزور ہو جاؤں، تو میں ریتکتا ہوا دور چلا جاؤں گا مگر اسے خود پر حکومت
نہیں کرنے دوں گا۔

بادشاہ: یہ تم کیا بکواس کر رہے ہو؟

فقیر: بادل آرہے ہیں۔ آدمی رات میں ستارے چمکنے لگیں گے اور ہمارے
خاموشی ہو جائے گی۔

بادشاہ: کیا بادل شور مچاتے ہیں؟

فقیر: کچھ ان گندی جمو پتروں میں مر گئے جو کہ دریا کے کنارے پر جمنا
پچھلے ہفتہ دریا چڑھ آیا اور انہیں بھاگنے کا موقع بھی نہ ملا۔

بادشاہ: تمہیں بہت کچھ معلوم ہے۔ کیا تم کبھی سوتے بھی ہو؟

فقیر: جب میں پتروں پر لیٹتا ہوں تو پیدا ہونے والا بچہ رونے لگتا ہے۔ اور
ہوا دوبارہ جلنا شروع ہو جاتی ہے۔

بادشاہ: پچھلی رات کو ستارے چمک رہے تھے، نہ تو کوئی دریا کے کنارے
اور نہ ہی کوئی بچہ پیدا ہوا اور نہ ہی کوئی ہوا چلی۔

اس کا مطلب ہے کہ تم اندھے سرے اور جاہل ہو، یا (وقفہ)
تم کیا کرتے ہو؟ میں نے تمہیں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، تم
کہاں رہتے ہو؟

میں نے آج دیکھا کہ اس سال گندم کی کاشت بہت کم ہوئی ہے،
کیونکہ اس سال بارشیں نہیں ہوئیں۔ اور کھیتوں سے کلی آندھیاں چلتی
آ رہی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس سال گندم کی فصل خراب ہوئی ہے۔
آج سے 38 سال پہلے بھی یہی ہوا تھا، گندم سورج کی گرمی سے مرجھا
گئی تھی، اور پھر اس کے بعد وہ ختم ہو گئی۔ اس کے بعد زبردست بارشیں
شروع ہوئیں اور چوہے نمودار ہوئے کہ جنہوں نے دوسری فصلوں کو
خراب کر دیا، پھر وہ گلوں میں گئے اور لوگوں کو کترنے لگے۔

مگر مجھے اس کے بارے میں کوئی خبر نہیں۔ میرا خیال ہے پچھلی باتوں کی
طرح یہ بھی تم نے گھڑی ہیں، کیونکہ تاریخ تو اس سلسلہ میں کچھ نہیں کھتی۔
کوئی تاریخ نہیں ہوتی۔

اور سکندر اعظم؟ اور میزرا؟ اور نیولین؟
کہانیاں ہیں۔ یہ نیولین کون تھا کہ جس کے بارے میں تم نے کچھ کہا ہے؟
یہ وہ شخص تھا کہ جس نے آدھی دنیا کو فتح کر لیا تھا، اور جو اپنے
غور کی وجہ سے ختم ہوا۔

صرف اس پر یقین کر سکتے ہیں۔ وہ خود اور دنیا۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے،
درحقیقت نیولین نامی شخص جہاز میں چپو چلانے پر مامور تھا اور وہ ایک
یو قوف شخص تھا۔ اس سے ہر شخص کہتا تھا کہ: ہم اس جنگ جگہ میں چپو
نہیں چلا سکتے ہیں۔ اور جب جہاز ڈوبا کیونکہ انہوں نے چپو چلانے چھوڑ
دئے، تو اس نے اپنے سر میں ہوا بھری اور اکیلا ہی زندہ بچا کیونکہ وہ زنجیر
سے بندھا ہوا تھا اس لئے مجبوراً اسے چپو چلاتے رہنا پڑا، اگرچہ جہاز کے
نچلے حصہ میں رہنے کی وجہ سے اسے یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ کس طرف

جا رہا ہے، بلاخر تمام لوگ ڈوب گئے۔ تب اس نے دنیا کے سامنے اپنے سر کو ہلایا، کیونکہ اس کا سر بہت بھاری تھا اس لئے وہ گر گیا۔
مگر میں نے اس قسم کی احمقانہ باتیں اس سے پہلے کبھی نہیں سنی تھیں۔ تم نے یہ کہانی سنا کر مجھے بڑا مایوس کیا ہے۔ کم از کم دوسری کہانیاں تم نے بہتر طریقے سے سنائیں تھیں۔ چلو ذرا یہ تو بتاؤ کہ تم بادشاہ کے بارے میں کیا سوچتے ہو؟

بادشاہ :

مگر میں تو کوئی بادشاہ نہیں ہے۔ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کوئی بادشاہ ہے، اور صرف ایک شخص کو یہ خیال ہے کہ وہ بادشاہ ہے۔ اور جب بد سارے جنگی رتھ تیار ہو جاتے ہیں، اور جنگی فوارہ بجائے والا، فوارہ بجانا شروع لیتا ہے تو پھر جنگ کی تیاری ہوتی ہے اور کب دشمن کو ڈھونڈا جاتا ہے۔
مگر بادشاہ نے اپنے دشمن کو شکست دیدی ہے۔

فقیر :

اس نے اسے شکست نہیں دی اسے قتل کیا ہے، ایک احمق نے دوسرے احمق کو مار ڈالا ہے۔

بادشاہ :

فقیر :

(تکلیف سے) مگر وہ بڑا طاقت ور دشمن تھا، تم میری بات کا یقین کرو۔ ایک آدمی نے میرے چالوں میں پتھر ڈال دئے، وہ میرا دشمن ہے، اسے اپنے ہاتھوں کی طاقت پر فخر تھا، مگر وہ سرطان کے مرض میں مر گیا اور جب وہ اس کے تابوت کو بند کر رہے تھے تو اس کا ڈھکنا اس کے ہاتھ پر اُڑا کسی نے اس کو دیکھا نہیں، مگر جب وہ اس کو لے کر چلے تو اس کا موزا دل خالی مردہ ہاتھ باہر لٹکا ہوا تھا۔

بادشاہ :

فقیر :

کیا تم اس طرح یہاں پڑے پڑے پور تو نہیں ہو جاتے ہو؟
کچھ دیر سے آسمان پر بادل اس طرح سے تیر رہے تھے کہ شاید یہ بجلی ختم نہ ہوں، میں انہیں دیکھتا ہوں، اور وہ کبھی رکتے نہیں ہیں۔
مگر آسمان پر تو کوئی بادل نہیں، تم ہدیائی کیفیت میں ہو، آسمان،

بادشاہ :

صاف سورج چمک رہا ہے

مگر کوئی سورج تو نہیں ہے۔

فقیر :

میرا خیال ہے کہ تم خطرناک پاگل اور مخبوط الحواس شخص ہو۔
وہ ایک اچھا کتا تھا۔ کوئی معمولی کتا نہیں۔ وہ اس قاتل تھا کہ اس کے
ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا۔ وہ میرے لئے گوشت لایا کرتا تھا۔ اور رات کو
میرے ساتھ چنٹھڑوں میں لیٹ کر سو جاتا تھا۔ ایک رات شہر میں بڑا ہنگامہ
ہوا، شہر میں ہر کوئی میرا مخالف ہے کیونکہ میں نے کسی کو کچھ دیا نہیں، اس
روڈ سپائی مارچ کرتے ہوئے آئے مگر میرے کتے نے انہیں بھگا دیا۔

پادشاہ:
نفر:

تم یہ سب کچھ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہو۔
کیونکہ میرا خیال ہے کہ تم ایک احمق شخص ہو۔
تم میرے بارے میں اور کیا سوچتے ہو۔

پادشاہ:
نفر:
پادشاہ:
نفر:

تمہاری آواز کمزور ہے اس کا مطلب ہے کہ تم ایک ڈرپوک شخص
ہو۔ تم بہت سوال پوچھتے ہو، اس لئے تم خوشامدی ہو، تم نے کوشش کی کہ
مجھے دھوکے سے بھٹالو، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تم میں اعتماد کی کمی ہے، تم
نے میری کسی بات پر یقین نہیں کیا، مگر پھر بھی میری باتیں سنیں، لہذا تم
ایک کمزور آدمی ہو، اور تمہارا خیال ہے کہ ساری دنیا تمہارے گرد گھومتی
ہے، جب کہ اس دنیا میں اور بھی اہم لوگ ہیں، مثل کے طور پر میں خود۔
اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم اندھے بہرے، اور جاہل ہو، اور مجھے اب
تک تمہاری دوسری برائیوں کے بارے میں پتہ نہیں چلا ہے۔

پادشاہ:
نفر:

یہ تو بڑا خراب نظر آتا ہے۔ کیا تم مجھ میں کوئی نیکی نہیں دیکھ سکتے؟
تم آہستہ سے بولتے ہو، اس لئے تم میں خاکساری ہے، تم بہت سوال
پوچھتے ہو، اس لئے تم میں جاننے کا شوق ہے، تم ہر چیز کو پرکھتے ہو، اس
لئے تم تفکیک پرست ہو، تم جھوٹی باتیں بھی سن لیتے ہو، اس لئے تم
مہربان و شفیق ہو، تمہارا خیال ہے کہ ہر چیز تمہارے گرد گھومتی ہے اس
لئے تم بھی ان لوگوں کی طرح جو اس پر یقین رکھتے ہیں۔ ان سے زیادہ نہ
تو احمق ہو اور نہ بدتر، اور تم اپنے خیالات کی وجہ سے زیادہ کنفیوژ نہیں
ہو۔ جس سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہو اس سلسلہ میں پریشان ہونے کی

مجھے یقین نہیں کہ لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔

بارشہ:

میرے سامنے سب لوگ جھکتے ہیں، مگر میں اس وجہ سے مغرور نہیں ہوں۔ جو چیز مجھے غصہ دلاتی ہے وہ ان کا بولنا اور سوالات کرنا ہے۔

نقیر:

کیا میں نے تمہیں پریشان کیا ہے؟

بارشہ:

یہ سب سے یوقولانہ سوال ہے جو تم نے پوچھا ہے۔ تم ایک بے شرم شخص ہو، تمہیں کسی شخص کے ذاتی حقوق کی کوئی پروا نہیں ہے۔ تمہیں تہائی کا کوئی احساس نہیں، اس لئے تم مجھ ایک اجنبی سے ہر چیز کی تصدیق کرانا چاہتے ہو۔

نقیر:

میں لوگوں پر حکومت کرتا ہوں، اس لئے لوگ میری عزت کرتے ہیں۔

بارشہ:

باگ کا بھی خیال ہے کہ وہ گھوڑے پر حکومت کرتی ہے۔ لاپتیل کی چونچ کو یہ خیال ہے کہ وہی اس کو راستہ دکھاتی ہے، درخت کی پھٹکی کو یہ یقین ہے کہ وہ درخت کو آسمان کی جانب لے جا رہی ہے۔

نقیر:

تم ایک بد معاش شخص ہو، میں تمہیں نیست و نابود کرا دیتا مگر یہ سوچ کر رک جاتا ہوں کہ میں ایسا کروں تو اپنی ذات کی وجہ سے کروں گا۔ (فقیر اپنا باجہ نکالتا ہے اور اسے بجاتا ہے۔ ایک آدمی اس کے سامنے سے جھٹکا ہوا جلدی سے گزر جاتا ہے)

بارشہ:

(اپنے ہاتھ کو رکھتے ہوئے) اس آدمی کی بیوی اس کے مال کو چراتی ہے۔ رات کو وہ اس پر جھکتی ہے تاکہ اس کے پیسے چوری کرے۔ کبھی وہ جاگ جاتا ہے اور اسے اپنے پر جھکا دیکھ کر سوچتا ہے کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے، اتنی محبت کہ اس سے ضبط نہیں ہوتا چونکہ رات کو وہ اسے اٹھ کر دیکھتی ہے۔ اس لئے وہ ان چھوٹے فریبوں کو معاف کر دیتا ہے کہ جو وہ جان لیتا ہے۔

نقیر:

تم پھر سے شروع ہو گئے۔ میرا خیال ہے کہ اس میں ذرا برابر بھی صداقت نہیں ہے۔

بارشہ:

اب تم جا سکتے ہو، کیونکہ اب تم گھنٹیا پن کی حرکتیں کرنے لگے ہو۔
 فقیر: ہاں سب کیا ہے، ناقابل یقین۔
 بادشاہ:

(فقیر اپنا ہاجہ بجاتا ہے)

سب دیکھ سکتے ہیں کہ آسمان بہت زیادہ خوبصورت اور زمین زیادہ
 پید اوار ہے اور اس کی وجہ سے یہ موسیقی ہے، اس کی وجہ سے لوگوں کی
 عمریں بڑھیں گی اور وہ اپنے ہمایوں کو معاف کر دیں گے۔
 فقیر:

مجھے بتاؤ تو سہی آخر تمہیں میری صورت کیوں بری لگتی ہے، اور تم
 نے آخر مجھے کیوں اس قدر برا بھلا کہا۔
 بادشاہ:

کیونکہ تم مجھے کوئی زیادہ مغرور نظر نہیں آئے کہ میری بات سننے سے
 انکار کر دو، اور میں باتیں اس لئے کرنا چاہتا تھا تاکہ میں اپنے مرے ہوئے
 کتے کو بھول جاؤں۔
 فقیر:

اچھا، میں جا رہا ہوں۔ تم نے میری زندگی کے سب سے خوبصورت
 دن کو تباہ کر دیا، مجھے دراصل رکنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ ہمدردی سے کچھ
 حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے، تمہاری ایک خصوصیت ہے، ہمت، کہ جس کی
 وجہ سے تم نے مجھ سے باتیں کیں (وہ چلا جاتا ہے، سپاہی اسے گھیرے میں
 لے لیتے ہیں گھنٹیاں دوبارہ سے بجاتا شروع ہو جاتی ہیں)
 فقیر:

(اب پتہ چلتا ہے کہ وہ اندھا ہے) وہ آخر کار چلا گیا۔ میرا خیال ہے کہ
 صبح کا وقت ہے کیونکہ گرمی بہت ہے۔ میرا خیال ہے کہ لڑکا آج نہیں
 آئے گا۔ شہر میں آج کوئی تقریب ہے، اور یہ احق بھی وہیں جا رہا ہو گا
 اب میں اپنے کتے کے بارے میں پھر سے سوچنا شروع کر دوں گا۔



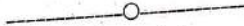
فن اور سیاست

میں تمہارا سوال خوب سمجھتا ہوں تمہارا خیال ہے کہ میں یہاں بیٹھا ہوا کھاڑی کے اس پار دیکھ رہا ہوں کہ جہاں جنگ کا کوئی اثر نہیں۔ سوال یہ ہے کہ آخر میں اسپین کے ان بڑوں کے خلاف کس طرح سے لڑوں کہ جنہوں نے اپنے عوام کے خلاف جنگ شروع کر رکھی ہے! لیکن ذرا غور تو کرو کہ آخر میں یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہوں؟ میں کس طرح سے ان خیالات سے ہٹکارا پا سکتا ہوں کہ جن سے میری پوری زندگی بری طرح متاثر ہوئی ہے؟ اور میں آخر کھینے سے کیسے باز رکھ سکتا ہوں! میری حیثیت تو دیکھو۔ میں ایک جلا وطن کی حیثیت سے بیٹھا ہوا ہوں کہ جس سے اس سے پرہیز اور سننے والوں کو چھین لیا گیا ہو میں صرف لوگوں تک اپنی شاعری ہی نہیں پہنچاتا ہوں، بلکہ ان لوگوں کے لئے میرے دل کی گہرائی میں محبت کے جذبات ہیں، اس لئے میں انہیں لوگوں کے لئے لکھ سکتا ہوں کہ جن سے مجھے محبت ہو۔

اور اس وقت جب کہ یہ لوگ جن سے میں محبت کرتا ہوں، ناقابل بیان اذیتوں میں مبتلا ہیں تو میں آخر کس طرح سے اپنی تحریر کو کو روک سکتا ہوں! میں یہاں بیٹھا ہوا دور تک دیکھتا ہوں کہ جہاں کھاڑی ختم ہو گئی ہے، تو میں ان لوگوں کو بھی دیکھتا ہوں کہ وہ دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہیں۔ جب انسانیت ختم ہو جائے تو پھر فن بھی باقی نہیں رہتا۔ صرف خوبصورت الفاظ کو جمع کر دینا ہی فن نہیں ہوتا۔ جب تک ادیب لوگوں کی تقدیر سے متاثر نہ ہو اس وقت تک وہ کس طرح سے اپنے فن کے ذریعے لوگوں کو حرکت میں لا سکتا ہے! اگر میں لوگوں کے دکھوں پر سخت دل ہو جاؤں، تو میں کسی طرح اپنی تحریر میں اپنے دل کی گہرائی کو سمو سکوں گا، اور اگر میں اپنی تحریر کے ذریعہ ان کے دکھوں کا کوئی راستہ نہیں نکالوں، تو وہ کس طرح میری تحریروں سے کوئی راہ دریافت کریں گے۔

اس چھوٹے سے ڈرائے میں جس کے بارے میں ہم نے تیارہ خیالات کیا ہے اس میں انڈس کی ایک مچھلی فروخت کرنے والی عورت کی کہانی ہے کہ جو فوجی جہزوں کے خلاف لڑی۔ اس میں میں نے اس بات کو دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اس کے لئے جنگ لڑنے کا فیصلہ کرنا کس قدر دشوار تھا۔ لیکن ان نے اپنی غیر معمولی تکلیف کی وجہ سے بندوق اٹھائی۔ یہ کچلے ہوئے لوگوں کے لئے ایک اپیل ہے کہ وہ استحصال کی طاقتوں کے خلاف انسانیت کے نام پر اٹھ کھڑے ہوں اور جہاں بھی لوگ انسانیت کے لئے ان حالات میں لڑتے ہیں۔ وہاں وہ کبھی زندہ آلود نہیں ہوئے۔ میں نے ایک خط اس مچھلی فروخت کرنے والی عورت کے نام لکھا ہے کہ تمام جرمن بولنے والے لوگ ان میں سے نہیں کہ جنہوں نے اس کے ملک میں جہزوں، ٹینکوں اور بموں کو بھیجا ہے، اور میں یہ خط ان تمام جرمنوں کی جانب سے لکھ رہا ہوں جو جرمن سرحد کے باہر اور اندر ہیں۔ اور جو کہ میرے خیالات سے متفق ہیں۔

فروری 1937ء



عورت اور ہندوق

ٹریا کاردار
 ہوزے
 پیڈرو
 زخی
 مانسونیلا
 پادری
 بوڑھی عورت مسز پیرے
 دو ماہی گیر
 عورتیں
 بچے

انڈلس کے ایک ماہی گیر کے مکان میں اپریل 1937ء کی ایک رات کمرے کے ایک صاف کونے میں سیاہ رنگ کی صلیب رکھی ہے چالیس سالہ عورت ٹریا روٹی پکانے میں مصروف ہے، اس کا لڑکا ہوزے کھڑکی کے قریب بیٹھا ہوا جال صاف کر رہا ہے۔

دور سے توپوں کی آواز سنائی دے رہے ہے۔

ما: کیا تو، یان کی کشتی دیکھ رہا ہے۔

لوہوان: ہاں۔

ما: کیا اس کا لپ اب تک جل رہا ہے؟

لوہوان: ہاں۔

کیا اور کشتی تو وہاں نہیں ہے؟

ماں:

نہیں۔

نوجوان:

تو جب ہے اور کیوں کوئی باہر نہیں گیا؟

ماں:

تختے پتہ تو ہے۔

نوجوان:

(جذبات پر قابو پاتے ہوئے) جب میں سوال کرتی ہوں تو اس

ماں:

مطلب ہوتا ہے کہ مجھے کچھ پتہ نہیں۔

سوائے یان کے آج اور کوئی باہر نہیں گیا کیوں کہ مچھلی پکڑا

نوجوان:

کے علاوہ اور دوسرے بہت کام ہیں۔

اچھا!

ماں:

وقفہ .

اور یان کو بھی آج نہیں جانا چاہئے تھا۔

نوجوان:

وہ کسی چکر میں پڑا ہوا نہیں ہے۔

ماں:

(جال کو زور سے جھٹکا دیتے ہوئے) نہیں!

نوجوان:

ماں نے روٹی کو تندور میں رکھا ہاتھ صاف کئے اور مچھلی کے جال کو اٹھا

اس کی مرمت کرنے لگی۔

مجھے بھوک لگی ہے۔

نوجوان:

کیا تو اس بات کے خلاف ہے کہ تیرا بھائی مچھلیاں پکڑے؟

ماں:

ہاں کیونکہ مچھلیاں تو میں بھی پکڑ سکتا ہوں، یان کی جگہ بھلا ہے۔

نوجوان:

میرا خیال ہے کہ تو بھی وہاں جانا چاہتا ہے۔

ماں:

وقفہ

پتہ نہیں کھانے پینے کا سلطان انگلستان کی ریکوٹوں کے باعث آ

نوجوان:

ہے یا نہیں؟

ماں:

بہر حال اس روٹی کے بعد پکانے کو میرے پاس آنا بالکل نہیں۔

نوجوان کھڑکی بند کر دیتا ہے۔

ماں:

کھڑکی کیوں بند کر دی!

نوجننے والے ہیں۔

نوجوان :

پھر۔

ماں :

نوجننے والے سے وہ کم بخت بولے گا، اور پیرز کے گھر والے ریڈیو کھولیں گے۔

نوجوان :

(تتلی سے) کھڑکی کھول دے، کھڑی بند ہونے سے اندر کی روشنی شیشوں پر پڑے گی اور ہم باہر صاف نہیں دیکھ سکیں گے۔

ماں :

آخر میں یہاں کچھ ہوا اس کی گھرائی کیوں کروں ! وہ تجھ سے بھاگ کر نہیں جائے گا، تجھے بلاوجہ کا ڈر ہے کہ وہ محاذ پر چلا جائے گا۔

نوجوان :

بیوقوف مت بن، کیا یہ کھسوس کی بات نہیں کہ مجھے تم دونوں کی گھرائی کتنی پڑ رہی ہے۔

ماں :

”دونوں سے“ کیا مطلب ہے؟

نوجوان :

تو اپنے بھائی کے مقابلہ میں کوئی شریف نہیں، بلکہ بدترین ہے۔

ماں :

وہ صرف ہماری وجہ سے ریڈیو کھولتے ہیں۔ آج تیسری شام ہے، میں نے کل اچھی طرح سے دیکھا تھا کہ انہوں نے اپنی کھڑکی پوری کھول دی تھی تاکہ ہم ریڈیو کی آواز سن سکیں۔

نوجوان :

اس تقریر میں کوئی خاص بات نہیں تھی، سوائے اس کے کہ وہ دہلیا پر قبضہ کر چکے ہیں۔

ماں :

تو یہ کیوں نہیں کہہ دیتی کہ وہ اچھے ہیں۔

نوجوان :

تو جانتا ہے کہ میں انہیں اچھا نہیں سمجھتی، آخر کیوں میں ان جرنلوں کی حمایت کروں؟ میں خون خرابے کے سخت خلاف ہوں۔

ماں :

اس کی ابتداء کس نے کی! شاید ہم نے!

نوجوان :

ماں خاموش ہو جاتی ہے، نوجوان دوبارہ سے کھڑکی کھول دیتا ہے دور سے ریڈیو کی آواز سنائی دیتی ہے ”ہوشیار، خبردار، عالی جناب محترم جنرل اسمی پووالانو بولنے والے ہیں“ اس کے بعد جنرل کی تیز آواز سنائی دیتی ہے، جو کہ شام کے خطاب میں اسپیکر کے عوام سے خطاب ہے۔

جزل کی آواز : ہم آپ سے غلوں کے ساتھ کچھ کہنا چاہیں گے، اور یہ باتیں ہم آپ سے میڈرو میں کہنا پسند کریں گے۔ ہماری مضبوط دیواریں ہر حملہ کو برداشت کریں گی۔

نوجوان : بد معاش

جزل کی آواز : کوئی طاقت ہماری پیش قدمی کو نہیں روک سکتی، ہم کینہ لوگوں کو چاہ کر دیں گے اور اس شہر پر قبضہ کر لیں گے کہ جہاں ہمارے خلاف سازشیں ہوتی ہیں، ہم تمام گھٹیا لوگوں کو اس دنیا سے مٹا دیں گے۔

نوجوان :

اس کا مطلب ہے کہ ”ہم“

ہم ہائی نہیں ہیں، تو اور تیرا بھائی دونوں فطرتاً حساس ہو اور یہ نہیں اپنے باپ سے ورثہ میں ملی ہے، اور اگر تم ایسے نہیں ہوتے تو مجھے اٹھ بھی نہیں گتے، کیا تو ان توپوں کی آواز نہیں سن رہا ہے ہم غریب لوگ ہیں، اور غریب لوگ جنگ نہیں لڑ سکتے!

(کوئی دروازہ کھٹکھٹاتا ہے۔ پیڈرو، جو ایک مزدور ہے، اندر آتا ہے۔ یہ ٹرسا کا بھائی ہے۔ اس کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ لمبا راستہ چل کر آیا ہے۔)

مزدور : آداب عرض۔

نوجوان : پیڈرو ماموں

ہاں :

پیڈرو، تمہارا بھائی آنا کیسے ہوا! (وہ اسی سے ہاتھ ملاتی ہے)

نوجوان : پیڈرو ماموں، کیا تم موٹل سے آرہے ہو، وہیں کسے کیا حال ہیں؟

مزدور :

کوئی زیادہ اچھے نہیں، اور تمہارے کیا حال ہیں؟

ہاں :

(جھجکتے ہوئے) اچھے ہیں۔

نوجوان :

کیا تم آج وہیں سے آرہے ہو!

مزدور :

ہاں۔

نوجوان :

آنے میں پورے چار گھنٹے لگے ہوں گے۔

مزدور :

زیادہ ہی لگے، راستے میں بھانگے والوں کا جم خفیہ ہے، تمام لوگ الہرا

جانا چاہتے ہیں۔

کیا موٹر والوں نے خوب مقابلہ کیا!

آج کا تو مجھے پتہ نہیں، لیکن کل تک ہم نے سخت مقابلہ کیا تھا۔

مگر تم وہاں سے کیوں چلے آئے!

ہماری ضرورت محاذ پر زیادہ ہے، جاتے ہوئے میں نے سوچا کہ ایک بار تم لوگوں کو دیکھتا چلوں۔

کیا تم چند گھونٹ شراب پینا پسند کرو گے! (شراب لاتی ہے) اور روٹی بھی آدھے گھنٹے میں تیار ہو جائے گی۔

یاں کہا ہے!

مچھلیاں پکڑنے گیا ہے۔

واقعی۔

تم اس کی کشتی کے لپ کی روشنی میں سے دیکھ سکتے ہو۔

آخر کار ہمیں زندہ بھی تو رہتا ہے۔

یقیناً! جب میں ادھر آ رہا تھا تو میں نے ریڈیو سے جنرل کی آواز سنی تھی یہ تقریر کون سنتا ہے!

ہمارے سامنے پیرز کا خاندان رہتا ہے، وہ سنتے ہیں؟

کیا ریڈیو سے وہ ہمیشہ اس قسم کی چیزیں سنتے ہیں؟

نہیں، وہ فراکو کے آدمی نہیں، وہ خود سننے کے لئے نہیں کھولتے تم

میرا مطلب سمجھتے ہو نا!

اچھا! سمجھا!

(نوجوان سے) کیا تو اپنے بھائی کو دیکھ رہا ہے!

(مرضی کے خلاف کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے) مطمئن رہو، وہ

کشتی سے بھاگ کر کہیں نہیں جائے گا۔

(مزور شراب کا گلاس اٹھاتا ہے اور بن کے ساتھ بیٹھ کر جال کی مرمت

میں اس کی مدد کرتا ہے۔)

نوجوان:

مزور:

نوجوان:

مزور:

یاں:

مزور:

نوجوان:

مزور:

نوجوان:

یاں:

مزور:

نوجوان:

مزور:

نوجوان:

مزور:

یاں:

نوجوان:

- مزدور: یاں کی عمر کیا ہو گی۔
- ہاں: ستمبر میں 21 سال کا ہو جائے گا۔
- مزدور: اور ہوزے!
- ہاں: کیا تیرے یہاں آنے کا کوئی خاص مقصد ہے!
- مزدور: نہیں، کوئی خاص تو نہیں۔
- ہاں: ویسے تو کافی عرصہ بعد آیا ہے۔
- مزدور: ہاں، دو سال بعد۔
- ہاں: روزا کے کیا حال ہیں؟
- مزدور: گھٹیا کے مرض میں مبتلا ہے۔
- ہاں: میرا دل چاہتا ہے کہ وہ ایک بار ہم سے مل لے۔
- مزدور: روزا کو کارلوس کی موت کا شدید غم ہے۔
- (ہاں خاموش ہو جاتی ہے)
- مزدور: تجیس کم از کم اس کی اطلاع تو دینی چاہئے تھی، ہم تمہارے شوہر کی تدفین میں شرکت کرنے ضرور آتے۔
- ہاں: سب کچھ اچانک ہوا۔
- مزدور: آخر ہوا کیسے؟
- (ہاں خاموش ہو جاتی ہے)
- نوجوان: گوئی اس کے، پمپسروں میں گئی تھی۔
- مزدور: (تجیب سے) کیسے؟
- ہاں: کیسے! اس کا مطلب کیا ہے؟
- مزدور: لیکن یہاں تو دو سال سے خاموشی ہے۔
- نوجوان: مگر لیڈو میں تو بغاوت ہوئی تھی۔
- مزدور: کارلوس اوڈیو کیسے چلا گیا؟
- ہاں: وہ چلا گیا تھا۔
- مزدور: یہاں سے۔

ہاں، جب اس نے بغلوت کی خبر اخبار میں پڑھی۔

(تعلیٰ سے) کچھ لوگ امریکہ جاتے ہیں اور اپنے حالات درست کرتے

ہیں، کچھ لوگ حماقتیں کرتے ہیں۔

(اٹھ کھڑا ہوتا ہے) کیا تو یہ کہنا چاہتی ہے کہ میرا باپ بیوقوف تھا۔

(وہ لرزے ہاتھوں سے جل رکھ دیتی ہے اور خاموشی سے باہر چلی جاتی

ہے)

اس کے لئے یہ بڑا صدمہ ہے۔

مزدور :

نوجوان :

مزدور :

کیا اس کو اس کا غم ہے کہ یہ اپنے شوہر کو آخری بار بھی نہیں دیکھ

سکی؟

نہیں اس نے اسے آخری بار دیکھا تھا، وہ واپس آگیا تھا۔ وہ مشکل

نوجوان :

سے گرتا پڑتا ریل میں سوار ہو کر آیا، اس کے سینہ پر قمیص کے نیچے پٹی

بندھی ہوئی تھی، وہ اسٹیشن پر اترتے ہی گر کر مر گیا۔ یہاں گھر پر اچانک

شہم کو دروازہ کھلا اور ہماری ہمسایہ عورتیں آئیں اور اس کو ایسے لایا گیا

جیسے کسی مدہوش شرابی کو، پھر تختہ لایا گیا اور اسے اس پر لٹا دیا گیا۔

کیا وہ اب تک کچی مٹی ہے!

مزدور :

(مرہلاتا ہے) اس کا خیال ہے کہ یہ ضروری ہے، ورنہ ہمسایہ اس

نوجوان :

کے بارے میں باتیں بنائیں گے۔

اس کے شوہر کے بارے میں لوگ کیا کہتے ہیں!

مزدور :

یہ کہ اس نے اپنے شوہر کو مشورہ دیا تھا۔

نوجوان :

کیا اس نے دیا تھا؟

مزدور :

(نوجوان کندھے ہلاتا ہے، وہ روٹی کو دیکھتا ہے، اور پھر جال کے قریب بیٹھ

جاتا ہے۔)

(واپس آتی ہے اور مزدور سے مخاطب ہوتی ہے کہ جو جال کی مرمت

لہ :

کرنے میں اس کی مدد کرنا چاہتا ہے) اسے چھوڑ، تو اطمینان سے شراب پی

اور آرام کر، تو مجھے تھکا معلوم ہوتا ہے۔

(مزدور شراب کا گلاس اٹھاتا ہے اور میز پر واپس چلا جاتا ہے۔)

(نوجوان سے) کیا اس نے تمہیں بتایا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے؟

ہاں :

نہیں۔

نوجوان :

(مزدور ہاتھ میں پانی کی بالٹی اور تولیہ لئے ہوئے آتا ہے۔ اور ہاتھ دھو رہا ہے)

(ہے)

کیا بوڑھے لوپے میاں بیوں زندہ ہیں۔

ہاں :

صرف وہ زندہ ہے (نوجوان سے) کیا یہاں سے بہت لوگ مٹوا دیے

مزدور :

ہیں !

بہت سارے نہیں بھی گئے ہیں۔

نوجوان :

ہمارے ہاں سے کیتھولکوں کی کافی تعداد گئی ہے۔

مزدور :

یہاں سے بھی کچھ گئے ہیں۔

نوجوان :

کیا سب کے پاس ہندو قیں ہیں؟

مزدور :

سب کے پاس نہیں۔

نوجوان :

یہ تو ٹھیک نہیں، ہندو قیں تو بڑی ضروری ہیں، کیا گاؤں میں کسی نے

مزدور :

پاس ہندو قیں ہیں؟

(جلدی سے) نہیں۔

ہاں :

کچھ ایسے لوگ ضرور ہیں کہ جنہوں نے چھپا رکھی ہیں اور لٹا

نوجوان :

میں اس طرح سے دفن کر رکھی ہیں کہ جیسے آلو۔

اچھا۔

مزدور :

(نوجوان کھڑکی سے ہٹ کر جاتا ہے)

تو کہاں جا رہا ہے !

ہاں :

کہیں نہیں

نوجوان :

تو پھر کھڑکی کی طرف واپس جا۔

ہاں :

(نوجوان خاموش کھڑا رہتا ہے)

کیا ہو گیا!

مزدور:

آخر تو کھڑکی سے دور کیوں جانا چاہتا ہے! جواب دے!

ما:

کیا کوئی باہر ہے!

مزدور:

(آہستگی سے) نہیں۔

لوہان:

(دور سے توپوں کی آواز سنائی دیتی ہے)

بچوں کی آوازیں،

یاں سپاہی نہیں ہے۔

کیونکہ اس میں ہمت نہیں ہے۔

یاں بزدل ہے۔

وہ اپنا سر چادر میں چھپا لیتا ہے۔

تین بچوں کے سر کھڑکی میں نظر آتے ہیں۔

یاں (وہ بھاگ جاتا ہے)

پہلا بچہ:

(کھڑکی کی طرف جاتی ہے) اگر تم ہاتھ آگئے تو میں تمہیں مار مار کر

ما:

ٹھیک کر دوں گی، بد معاش! یہ پھر پیرز کے خاندان والے ہیں

وقف

کیا تو اب تک لڑتی ہے؟

مزدور:

(ہنسنے ہوئے) کیا تم بچپن میں لڑا کرتے تھے!

لوہان:

میرے ساتھ تو ایسا ہوا ہے، بہر حال جنگ میں سب جانتے ہیں۔

مزدور:

(ما اسے شبہ سے دیکھتی ہے۔)

مگر یہ بڑی خراب چیز ہے۔

لوہان:

خوب! تو نے اچھا کیا کہ یہ مجھ سے کہا، اب میری سنو! میرے بیٹے

مزدور:

ہلادری اچھی چیز ہے اور تو ہلادری تو ہے مگر ہوشیار نہیں۔

جب تک آدمی میں ہمت نہ ہو وہ کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔

لوہان:

اس قسم کی کہانیاں اس نے اپنے باپ سے سیکھی ہیں۔ جسے ایک اچھے

ما:

آدمی کو خطرہ تو مول لیتا پڑتا ہی ہے۔

مزدور : ہا ! ڈون مسی گون نے ایک مرتبہ ستر کسانوں کے ساتھ جوا کھیلا اور ہار گیا۔ چھپا عراس نے صرف ۵۰ خلو موں کے سہارے گزار دی۔

نوجوان : میں بھی اس قسم کا جوا کھیلتا چاہتا ہوں، میرے لئے یہ آخری موقع ہے،

ہا : تمہارا پاپ اس وقت کشتی سے چھلانگ لگا دیتا تھا کہ جب جل پہنچ جاتا تھا۔

مزدور : شاید اس ک پاس زیادہ جل نہیں تھے۔

ہا : اس کے پاس زیادہ زندگیں بھی نہیں تھیں۔

(دروازے پر یونین فارم میں ایک نوجوان آتا ہے۔ اس کا چہرہ زخمی ہے اور اس کا ہاتھ پٹی میں جھول رہا ہے۔)

ہا : پاؤلو اندر آ جاؤ۔

زخمی : شاید آپ سوچتی ہوں کہ میں پٹی کی وجہ سے پھر دوبارہ آ گیا۔

ہا : کوئی بات نہیں، یہ دوبارہ ہو جائے گی۔

(وہ اندر جاتی ہے)

مزدور : تمہارے زخم کھل آئے !

زخمی : ماننے مولوے میں۔

(ہا ایک قبض لے کر آتی ہے، اس کو ککڑوں میں پھاڑتی ہے اور اس کی پٹی کٹی ہے)

ہا : تو نے آخر آج پھر کام کیا۔

زخمی : ہاں، صرف سیدھے ہاتھ سے۔

ہا : مگر تجھ سے کہا گیا ہے کہ تجھے کام کرنے کی اجازت نہیں۔

زخمی : مگر ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچا، لوگ کہتے ہیں کہ شاید آج ملان آ جائے۔

مزدور : (بے یقینی سے) میرا خیال ایسا نہیں، توہوں کی یہ مہرج آج سب بدل دے گی۔

ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔

کیا تجھے تکلیف ہو رہی ہے! اگر ہو تو جتنا دنا میں کوئی تجربہ کار نرس
نہیں دیے جتنا ہو سکے گا میں احتیاط کروں گی۔

کیا لوگ میڈرڈ سے آسکتے ہیں!

کچھ نہیں کہا جاسکتا ہے۔

نہیں کچھ نہ کچھ تو کہا جاسکتا ہے۔

اور آپ نے تو پورا قہقہے بھاڑ ڈالا ہے، آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے
تھا۔

تیرا کیا خیال ہے، میں تیری پٹی کسی میلے کپڑے سے کرتی۔

مگر آپ کے پاس اور فالتو قہقہے بھی تو نہیں۔

جو میرے پاس ہے، وہ موجود ہے، مگر تیرے دوسرے بازو کے لئے یہ
کافی نہیں۔

(نستا ہے) دوسری مرتبہ اس کا خیال رکھوں گا (اٹھ کھڑا ہوتا ہے)۔

(مزبور سے) ان کتوں کو کامیاب نہیں ہونا چاہئے (جانا ہے)

توپوں کی آواز

اور ہم مچھلیاں پکڑ رہے ہیں۔

تجھے خوش ہونا چاہئے کہ اب تک تیرے کلڑے کلڑے نہیں ہوئے۔

باہر سے شور کی آواز آتی ہے۔ گاڑیوں کے گزرنے کا شور اور گالوں کی

آوازیں۔ مزبور اور نوجوان کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر باہر دیکھتے ہیں۔

یہ انٹرنیشنل بریڈ ہے۔ یہ موٹرل کی کلکت کے بعد محلہ پر جا رہے

ہیں۔ آواز آتی ہے۔ ابھی گھر بہت دور ہے۔

یہ جرمن ہیں۔

(مارسلز کے نغمہ کی آواز)

یہ فرانسیسی ہیں۔

(پولش گیت)

- مزدور : یہ پولیٹکس کے ہیں۔
(اطلاوی نقد)
- مزدور : یہ اطلاوی ہیں۔
(قلعہ کی حفاظت کرو)
- مزدور : یہ امریکی ہیں۔
(اپنی نقد)
- مزدور : یہ ہمارے لوگ ہیں۔
(گاہیوں کا شور نعلوں سے مل جاتا ہے۔ مزدور اور نوجوان واپس آہٹے ہیں)
- مزدور : آج رات کچھ نہ کچھ ہوتا ہے، مجھے اب چلے جانا چاہئے، ہونے پر آخری دستہ تھا۔
- ماں : (میز پر آتے ہوئے) آخر کون جیتا۔
- نوجوان : وہ
- ماں : کیا میں تیرے لئے بستر کر دوں!
- مزدور : نہیں، مجھے جانا چاہئے (مگر وہ بیٹھا رہتا ہے)
- ماں : روزا کو میری طرف سے نیک تمنائیں، اسے پریشان نہیں ہونا چاہئے۔
- ہمیں کچھ پتہ نہیں کہ آگے کیا ہو گا!
- نوجوان : میں تمہارے لئے روٹی کا ٹکڑا لاتا ہوں۔
- مزدور : اس کی کوئی ضرورت نہیں۔
- (ماں کھڑکی سے باہر دیکھتی ہے)
- ماں : کیا اچھا ہوتا کہ تو یان سے مل لیتا۔
- مزدور : چاہتا تو میں بھی ہوں، مگر وہ شاید جلدی واپس نہیں آئے۔
- ماں : وہ زیادہ دور تک چلا گیا ہے۔ مگر ہم اسے بلا سکتے ہیں۔
- (دروازے سے ایک نوجوان لڑکی کمرے میں آتی ہے)
- نوجوان : آداب عرض، مانسؤنڈیلا (مزدور سے آہستہ سے) یہ یان کی دوست

ہے۔ (لڑکی سے) یہ پیڑرو ماموں ہیں۔

ہمارا تو خیال تھا کہ آپ نے اسے کندر گارڈن گیند کھیلنے بھیج دیا ہے۔

نہیں وہ مچھلیاں پکڑنے گیا ہے، یان ایک مامی گیر ہے۔

وہ اسکول میں ہونے والی میٹنگ میں کیوں نہیں آیا! آخر وہ لوگ بھی تو مامی گیر ہیں۔

وہاں نہ جا کر اس نے کچھ کھویا نہیں۔

کس قسم کی میٹنگ تھی!

اس میں فیصلہ ہوا ہے کہ جانے والے آج رات محلّہ پر چلے جائیں

یان نے مجھ سے آنے کا وعدہ کیا تھا۔

ایسا نہیں ہو سکتا، ورنہ یان کبھی مچھلیاں پکڑنے نہیں جاتا۔ مامی، کیا

تم نے اسے مجبور کیا تھا۔

(مامی خاموش رہتی ہے اور سمندر کے پاس سٹ کر بیٹھ جاتی ہے)

اب مجھے پتہ چلا تو نے اسے کیوں مچھلیاں پکڑنے بھیجا؟

(سیدھی کھڑے ہو کر) خدا نے انسان کے لئے پیٹے بنائے ہیں، میرا بیٹا

مامی گیر ہے۔

تمہاری وجہ سے پورے گاؤں میں ہماری ہنسی اڑی ہیں جہاں جاتی

ہوں لوگ مجھ پر انگلیاں اٹھاتے ہیں، میں اب یان کا نام سنتے ہی ہزار ہو

جاتی ہوں آخر تم کس قسم کے لوگ ہو!

ہم غریب لوگ ہیں۔

تمام جنگ لڑنے والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہندو قیں اٹھائیں کیا تم

نے یہ نہیں پڑھا!

میں نے پڑھا ہے، یہ حکومت ہو یا وہ، آخر میں ہمیں گندگی کے ڈھیر پر

پھینک دیا جائے گا، اس لئے میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے خود کو رضا

کارانہ طور پر گندگی میں ڈالیں۔

آپ یہ چاہتی ہیں کہ کوئی دوسرا انہیں دیوار پر سے اٹھا کر پھینکے ایسی

یہ تو فی تو میں نے بھی نہیں دیکھی! یہ آپ ہی جیسے لوگوں کا قصور ہے کہ بات اتنی بڑھ گئی، اور سوہ لاناؤ کی اتنی ہٹ ہو گئی کہ اب وہ ریٹیل پر تو کر لے گا۔

(کنوڑی سے) میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ کوئی میرے گھر میں اس قسم کی باتیں کرے۔

(ہو سے باہر ہو کر) کیا آپ جزلوں سے خوش ہیں!

(زور سے) نہیں، یہ خوش نہیں ہیں، مگر یہ چاہتی ہیں کہ ہم لڑکی میں نہیں جائیں۔

غیر جانبدار ہو، کیا یہی مطلب ہے!

مجھے معلوم ہے کہ تم میرے گھر میں سازش کرنا چاہتے ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ یان کو دیوار سے لگا کر کھڑا کر دیا جائے، خدایا! کیا ہمیں بھی سکون نہیں ملے گا!

اور آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنے شوہر کی لوبڈہ جلتے وقت مدد کی تھی۔

(آہستگی سے) اپنا منہ بند رکھو، میں نے کوئی مدد نہیں کی، یہ سب جھوٹ ہے۔

گھڑوں کے تمام لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ کارلو کارارا ایک ہلور شخص تھا، لیکن وہ راتوں کو چھپ کر جاتا تھا، یہ بھی ہمیں معلوم ہے۔

میرا باپ بھی گھر سے چھپ کر نہیں گیا، مانسڈنیل! ہوزے، تو خاموش رہو۔

اپنے لڑکے سے کہہ دینا کہ اب اس سے میرا کوئی تعلق نہیں، اور اب اسے ضرورت نہیں کہ میرے سامنے آئے۔ میں اس سے پوچھ سکتی ہوں کہ وہاں کیوں نہیں گیا کہ جہاں اس کی ضرورت ہے (جاتی ہے)

نرپا! تجھے اس لڑکی کو اس طرح سے نہیں جانے دینا چاہئے تھا۔

میرا خیال ہے کہ انہوں نے شرط لگائی ہے کہ ان کو کس طرح سے

ملا پر سمجھا جائے۔ میں بیان کو بھاتی ہوں، یا ہونے تم بلا لاؤ نہیں نہیں
رک جاؤ، میں خود ہی جاتی ہوں، (جاتی ہے)

ہونے، میرا خیال ہے کہ تو ان حالتوں میں نہیں ہے اور اس کی
کوئی ضرورت بھی نہیں کہ تجھے سب کچھ سمجھایا جائے، اس لئے ذرا یہ تو
جگاؤ کہ وہ کہاں ہے۔

نہ جان: کیا!

مزدور: بدعوق!

نہ جان: باپ والی۔

مزدور: ہاں، اسے یہاں ہی ہونا چاہئے، وہ اس کے بغیر گیا نہیں ہو گا۔

نہ جان: کیا تم اسے لینے آؤ ہو!

مزدور: اور نہیں تو کیا لینے آیا ہوں۔

نہ جان: وہ جیسے کبھی نہیں دے گی، اس نے اسے چھپا کر رکھا ہے۔

مزدور: کہاں!

(نہ جان کو نے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مزدور اٹھ کر ادھر جانا چاہتا ہے کہ
قدموں کی آواز آتی ہے)

مزدور: (جلدی سے دوبارہ بیٹھتے ہوئے) کیا خاموشی ہے!

(ہاں گھٹوں کے پاوری کے ساتھ آتی ہے) وہ لمبا ترکا آدی ہے اور ابھی
تراش خراش کے کپڑے پہنے ہوئے ہے)

پاوری: آداب عرض ہونے (مزدور کی طرف ہوتے ہوئے) آداب عرض

ہاں: پاوری یہ میرا بھائی ہے، جو موٹل سے آیا ہے۔

پاوری: بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر (ہاں سے) مجھے ایک ضروری کام

سے جانا ہے، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ کل آپ دوپہر کو توری لو شاندران سے
آکر مل لیں۔ بچے بالکل اکیلے ہیں۔ توری لو آپ کے شوہر کے ساتھ محلا پر
چلا گیا تھا۔

ہاں: میں ضرور آؤں گی۔

پادری : (مزدور سے) آپ کے علاقے کے کیا حالات ہیں! میں نے سنا ہے کہ یہاں اور موٹرل کے درمیان رابطہ بڑا مشکل ہو گیا ہے۔

مزدور : ہاں، یہاں تو جیسے بڑا سکون ہے، کیوں ہے نا!

پادری : کیا فرمایا آپ نے!

ہاں : پیڈرو، میرا خیال ہے کہ پادری نے تم سے کچھ سوال کیا ہے! تو یہاں آخر کیوں آیا ہے۔

مزدور : میرا خیال ہے کہ میں اپنی بہن سے ملنے آیا ہوں،

پادری : (ہاں کو خوشی کے ساتھ دیکھتے ہوئے) خوب، خوب، آپ اپنی بہن سے ملنے آئے ہیں، آپ نے محسوس تو کیا ہو گا کہ وہ اب زیادہ خوش نہیں رہتی ہیں۔

مزدور : آپ اس کے پاس بچوں کو چھوڑ رہے ہیں۔

ہاں : پادری، آپ چند گھونٹ شراب کے ضرور چینا پسند کریں گے، پادری! بچوں کا خیال رکھتا ہے کہ جن کے باپ محاذ پر چلے گئے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ آپ دن بھر ادھر ادھر بھاگنے میں مصروف رہتے ہوں گے۔

(وہ پادری کو شراب کا گلاس دیتی ہے)

پادری : (بیٹھتے ہوئے گلاس اٹھاتا ہے) میں تو یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ آخر کون ہے جو میرا کام سنبھالنے کی ہمت کرے۔

(صحن اس وقت پیریز کے گھر سے ریڈیو کی آواز آتی ہے۔ ماں کھڑکی بند کر دیتی ہے)

پادری : کھڑکی کھلی رہنے دیں، انہوں نے مجھے یہاں اندر آتے دیکھ لیا ہے وہ مجھے پسند نہیں کرتے، وہ مجھے یہ ریڈیو سنوانا چاہتے ہیں۔

مزدور : کیا آپ اس سے پریشان ہوتے ہیں!

پادری : ہاں، مگر کھڑکی کھلی رہنے دیں۔

بازل کی آواز : لوگ اس جھوٹ کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس کی وجہ سے قومی مفادات کو تباہ کیا جا رہا ہے، ہم سرخوں کے مخالف ہیں۔ ہم انہیں

ان دس ہزار راہبوں کے قتل کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں کہ جس کے وہ مرکب ہوئے ہیں۔ ہم یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ اگر نیشٹل آرمی بموں اور بندوقوں کی مدد سے فتح مند ہو گئی تو وہ کسی راہب کو زندہ دیکھنا پسند نہیں کرے گی۔

(مزدور پادری کی طرف سگریٹ بڑھاتا ہے، پادری اگرچہ سگریٹ نہیں چیتا مگر ہنستے ہوئے ایک لیتا ہے)

جنرل کی آواز : وہ لوگ کہ جو اس منصوبہ کو سمجھتے ہیں ان میں جنرل فرائکو، جنرل مولا اور.....

ریڈیو بند ہو جاتا ہے۔

پادری : (سکون کا سانس لیتا ہے) خدا کا شکر ہے کہ پیرز والوں نے اور زیادہ نہیں سنوایا، میرا مطلب ہے کہ اس قسم کی تقریر کا کوئی اچھا اثر نہیں ہوتا ہے۔

مزدور : مگر ہم تو سنتے ہیں کہ خود وہی کن والے اس قسم کا جھوٹ پھیلاتے ہیں۔

پادری : مجھے معلوم نہیں (رنجیدگی سے) میرا خیال ہے کہ چرچ کا یہ کام نہیں کہ وہ سفید کو کالا اور کالے کو سفید کرے۔

مزدور : (نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے) یقیناً نہیں!

ماں : (جلدی سے) پادری، میرا بھائی ملیشا کے ساتھ لڑنے والوں میں سے ہے۔

پادری : آپ کس فرنٹ سے آرہے ہیں۔

مزدور : ملاگا سے۔

پادری : وہاں تو بڑی اندوہناک صورت حال ہے۔

(مزدور خاموشی سے سگریٹ پیتا رہتا ہے)

ماں : میرا بھائی مجھے ایک اچھی بیٹی عورت نہیں مانتا، اس کا خیال ہے کہ

یان کو محاذ پر بھیج دوں

اور مجھے بھی 'ہمارا تعلق وہیں سے ہے۔

آپ کو معلوم ہے مسز کاررار، کہ میں آپ کی صورت مل کے بارے میں اچھی طرح جانتا ہوں، چرچ بہت سی باتوں میں قانونی حکومتوں کی حمایت کرتا ہے 78 میں سے 17 چرچ کے حلقوں نے حکومت کی حمایت کا اعلان کر دیا ہے، جب کہ میرے کچھ بھائی عملاً پر بھی کلم کر رہے ہیں، اور ان میں سے کچھ جان بھی دے چکے ہیں لیکن میں ذاتی طور پر جنگ جو نہیں، خدا نے مجھے یہ صلاحیت نہیں دی کہ میں اپنے حلقہ کے لوگوں سے کہوں (وہ الفاظ تلاش کرتا ہے) کہ وہ جنگ میں شرکت کریں، میرے لئے تو حضرت عیسیٰ کا یہ جملہ بہت اہم ہے کہ "تجھے کسی کو قتل نہیں کرنا چاہئے"۔ میں کوئی امیر آدمی نہیں، میرے پاس خانقاہ کی دولت بھی نہیں، میں اپنے حلقہ کے لوگوں کے ساتھ جو تھوڑا بہت ہے اس میں شرکت کر لیتا ہوں میں اس وقت جو کر سکتا ہوں وہ یہ کہ انہیں الفاظ کے ذریعہ مطمئن کر دوں۔

ٹھیک ہے آپ جنگ لڑنے والے نہیں ہیں، مگر سوچئے کہ ایک ایسا آدمی کے جسے قتل کئے جانے والا ہے، اور اس کے قتل کو روکنا ضروری ہے کیا آپ اسے ان الفاظ کے ساتھ پچائیں گے کہ "تجھے قتل نہیں کرنا چاہئے"۔ اگر اسے آپ کے سامنے ایک مرغ کی طرح ذبح کر دیا جائے تو میرا خیال ہے کہ آپ ضرور جنگ میں حصہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے، میرا مطلب ہے کہ اپنے طریقہ سے، بہر حال معاف کیجئے میں نے جو کچھ کہا اس کا آپ نے برا نہیں مانا ہو گا۔

میں بھوک ختم کرنے میں حصہ لے سکتا ہوں۔

آپ کا خیال ہے کہ ہمیں روز کی روٹی اس وقت مل جایا کرے گی کہ جب آپ ہمارے لئے یسوع مسیح سے دعا کریں گے!

یہ تو میں نہیں کہہ سکتا، میں تو صرف دعا کر سکتا ہوں،

آپ کو شاید اس خبر سے دلچسپی ہو کہ خدا نے اس جہاز کو جو کھلنے

توہ ان :

پادری :

مزدور :

پادری :

مزدور :

پادری :

پادری :

پنے کی اشیاء لے کر آیا تھا، واپس کر دیا ہے۔

کیا یہ صبح ہے مل! کہ جہاز واپس ہو گیا ہے۔

ہاں، یہ غیر جانبداری ہے (اچانک) اور آپ بھی غیر جانبدار ہیں۔

اس سے آپ کا کیا مطلب ہے!

یعنی آپ خاموش رہیں، اور خاموش رہ کر ان جزلوں کو اجازت دیں

کہ وہ اسپین کے عوام کا خون بہائیں۔

(اتھ سر کی طرف اٹھاتے ہوئے) میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔

(ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے) تھوڑی دیر کے لئے آپ ہاتھ

اسی طرح اونچے کئے رہیں، اسی حالت میں پڑا ہوا میں ہمارے پانچ ہزار

ساتھیوں کو گھروں میں محصور رکھا گیا اور پھر اسی حالت میں ان کو گولی مار

دی گئی۔

پیڈرو، تجھے اس طرح سے نہیں بولنا چاہئے۔

میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر انسان کا رویہ غلط ہو تو یہ ایسا ہی ہے،

کہ جیسے وہ ہتھیار ڈال دے اور خود کو ذلیل کرے، میں نے پڑھا ہے کہ

لوگ خود کو بے قصور سمجھ کر معصوم بن جاتے ہیں۔ مگر ایسے لوگ خون

سے ہاتھ دھوتے ہیں، اور یہ خون ان کے ہاتھوں پر جم جاتا ہے۔

پیڈرو!!

چھوڑیئے سزا کاررار، چھوڑیئے، ایسے موقعوں پر روح گرم ہو جاتی

ہے۔ جب یہ وقت ختم ہو جائے گا، تو ہم دوبارہ سکون سے سوچ سکیں

گے۔

کیونکہ ہم مایوس اور غیر متبدل لوگ ہیں اس لئے ہم اس قاتل ہیں

کہ ہمیں اس دنیا سے جس جس کر دیا جائے۔

ایسا کون کتا ہے!

ریڈیو کا جزل، کیا آپ نے اسے تھوڑی دیر پہلے نہیں سنا! میرا خیال

ہے آپ ریڈیو بہت کم سنتے ہیں۔

لوگوں:

مزدور:

پادری:

مزدور:

پادری:

مزدور:

مل:

مزدور:

مل:

پادری:

مزدور:

پادری:

مزدور:

- پادری : اوہ (حقارت سے) جزل،
 مزدور : ایسا مت کہئے، اوہ جزل، جزل نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ اسپین کے حقیر عوام کو اس سرزمین سے صاف کر دے گا، اس کی مدد کے لئے جرمن اور اطالوی موجود ہیں۔
- ہاں : یہ بھی کہتے انیسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں کو اس ملک میں بلایا گیا ہے کہ جن کا مقصد محض دولت اکٹھی کرنا ہے۔
- پادری : آپ کا کیا خیال ہے کہ کیا دوسری طرف بااصول اور با مقصد اور حد کے پابند لوگ نہیں ہیں۔
- مزدور : میں تو صرف یہ جانتا چاہوں گا کہ وہ کون سا مقصد ہے کہ جس پر انہیں یقین ہے۔
 وقفہ۔
- پادری : (گھڑی دیکھتا ہے، مجھے اب چلنا چاہئے۔ میں توری لو خاندان کو جلتے ہوئے دیکھتا چاہتا ہوں۔
- مزدور : اس بات کو مت سوچئے کہ پارلیمنٹ میں اسے بااصول اراکین کی اکثریت ہے کہ جو کسی منشور اور مقصد کے تحت منتخب ہو کر آئے ہیں۔
- پادری : یہ تو میرا بھی یقین ہے۔
- مزدور : میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب آدمی پر وقت آپڑے اور وہ اپنی مدافعت کرنا چاہے تو یہ مدافعت صرف ہتھیار اٹھا کر ہی کی جاسکتی ہے۔
- ہاں : (بات کانٹتے ہوئے) تو پھر شروع ہو گیا، بس کر، اس کا کوئی فائدہ نہیں۔
- پادری : جیسا کہ ہم جانتے ہیں، آدمی خالی ہاتھ پیدا ہوتا ہے، خدا اس کے ہاتھوں میں ہل کی گود میں ہتھیار نہیں تھما دیتا ہے، میں تو اس نظریہ کا قائل ہوں کہ دنیا سے یہ دکھ اور اذیت اسی وقت ختم ہوگی کہ جب ہائی کیر اور مزدور۔ میرا خیال ہے آپ مزدور ہیں، اپنے خالی ہاتھوں سے اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کریں گے، اور مقدس کتاب میں کہیں نہیں لکھا ہے کہ یہ دنیا ہی آخری دنیا ہے، یہ دنیا تو ظلم، دکھ اور گناہ

سے بھری ہوئی ہے، اس لئے جب اس کو اس دنیا میں بغیر ہتھیار کے بھیجا گیا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ خالی ہاتھ ہی اس دنیا سے رخصت ہو۔

مزدور :

آپ نے خوب کہا۔ اور میں اس کے خلاف کچھ نہیں کہنا چاہتا کہ جو سننے میں بہت اچھا لگتا ہو۔ میری خواہش ہے کہ جنرل فرائگو اس سے متاثر ہو، مگر مصیبت یہ ہے کہ جنرل فرائگو سر سے پیر تک مسلح ہے اور اس کی ابھی اس دنیا سے جانے کی کوئی خواہش بھی نہیں ہے، اگر وہ یہ دنیا چھوڑ دے تو ہم اسے اسپین کا تمام اسلحہ دینے کو تیار ہیں۔ اس کے پائلٹ ہوائی جہازوں سے اشتہار پھینک رہے ہیں جو میں نے مونزل کی ایک گلی سے اٹھایا ہے۔

(وہ اپنی جیب سے اشتہار نکالتا ہے۔ پادری اور نوجوان اسے دیکھتے ہیں)
دیکھا ! اس میں ایک بار پھر کہا گیا ہے کہ وہ ہم سب کو نیست و نابود کر دے گا۔

نوجوان :

(پڑھتے ہوئے) وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتے۔

ہاں :

وہ ایسا بالکل کر سکتے ہیں، پادری صاحب آپ کا کیا خیال ہے !

مزدور :

جی ہاں !

نوجوان :

(غیر یقینی سے) شاید وہ ٹیکنیکل طور پر اس حیثیت میں ہوں، مگر میں جہاں تک مسز کاررار کو سمجھا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہوائی جہاز سے اشتہار پھینکنا اور دھمکی دینا اور بات ہے، مگر اس سے لوگوں کو ڈرایا جائے لیکن میرا خیال ہے کہ فوجی جنرل اپنی دھمکی کو عملی جامہ نہیں پہنائیں گے۔

پادری :

میں آپ کی بات بالکل نہیں سمجھا۔

مزدور :

اور میں بھی۔

نوجوان :

(مزید غیر یقینی سے) میرا خیال ہے میں نے اپنی بات واضح کر دی

پادری :

ہے۔

آپ کے جملے تو صحیح ہیں، مگر آپ کا مطلب میرے اور ہوزے کے

مزدور :

لئے واضح نہیں کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ ہماری نہیں کریں گے
وقفہ۔

پادری: میں اسے صرف دھکی سمجھتا ہوں۔

مزدور: جو کہ عمل میں نہیں آئے گی۔

پادری: نہیں۔

ماں: میں جہاں تک سمجھ سکی ہوں وہ یہ ہے کہ وہ ہمیں خبردار کرنا چاہتے
ہیں کہ ان کے خلاف نہ ہوا جائے تاکہ اس طرح سے خون ریزی کو روکا جا
سکے۔

نوجوان: جنرل اور خون ریزی کو روکیں۔

ماں: (اشتہار کو اٹھاتے ہوئے) اس میں صاف لکھا ہوا ہے کہ جو ہتھیار ڈال
دے گا اسے معاف کر دیا جائے گا۔

مزدور: پادری، میں اب آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کیا واقعی ان کو
معاف کر دیا جائے گا کہ جو ہتھیار ڈال دیں گے!

پادری: (کسی مدد کی تلاش میں آنکھیں جھپکاتے ہوئے) کیا جنرل فراگو کو
اس لئے نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ عیسائی ہے!

مزدور: اس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے وعدہ پر قائم رہے گا۔

پادری: (زور دے کر) اسے رہنا چاہئے۔

ماں: جو لڑتا نہیں، اس کا کچھ نہیں ہوگا۔

مزدور: محترم پادری، معاف کیجئے گا، مجھے آپ کا نام معلوم نہیں۔

پادری: فرانسسکو۔

مزدور:

(ہات جاری رکھتے ہوئے) میں آپ سے یہ نہیں پوچھ رہا کہ جنرل
فراگو کو آپ کی خواہش کے مطابق کیا کرنا چاہئے، بلکہ یہ کہ وہ کیا کرے گا
میرا خیال ہے کہ آپ میرا سوال سمجھ گئے ہوں گے۔

پادری: جی ہاں۔

مزدور: میں آپ سے ایک عیسائی کی حیثیت سے یہ سوال کرتا ہوں کہ اگر

آپ کے پاس مال و دولت نہیں کہ جس سے آپ لوگوں کی مدد کریں، لیکن اگر آپ کے سامنے ایک ایسی صورت حال ہو کہ جس میں موت اور زندگی کا سوال ہو، تو کیا اس میں آپ صرف بچ بولتے رہیں گے۔

پریشانی سے میں آپ کی بات سمجھتا ہوں۔

میں آپ کے جواب کو آسان بنانے کے لئے آپ کو وہ یاد دلاؤں کہ جو مالا گامیں واقع ہوا تھا۔

میں جانتا ہوں کہ آپ کا کیا مطلب ہے۔ مگر کیا آپ کو یقین ہے کہ مالا گام میں کوئی ہندوق نہیں تھی!

آپ جانتے ہیں کہ 50 ہزار بھاگنے والوں جن میں مرد، عورتیں، اور بچے شامل تھے انہیں 220 کلو میٹر کے لمبے راستے پر جو کہ المیرا تک جاتا تھا، فراکو کی فوج نے جہازوں، طیاروں، مشین گنوں اور بموں کے ذریعہ ختم کر دیا۔

یہ تو بڑی دہشت ناک خبر ہے۔

ایسی ہی جیسے کہ قتل شدہ راہبوں کی۔

ایسی ہی جیسے قتل شدہ راہبوں کی،

جن کو کہ قتل نہیں کیا گیا۔

(بادری خاموش ہو جاتا ہے)

مزدور کاردار اور ان کے لڑکے جنرل فراکو کے خلاف لڑنا نہیں چاہتے

تو کیا ان کی زندگی محفوظ رہے گی!

انصاف کے مطابق۔

ہاں انصاف کے مطابق!

(جوش سے) آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں آپ کی ضمانت دوں!

نہیں آپ صرف اپنی رائے کا اظہار کریں کہ کیا مزدور کاردار اور ان

کے لڑکے محفوظ رہیں گے؟

(بادری خاموش ہو جاتا ہے)

بادری:

مزدور:

بادری:

مزدور:

بادری:

مزدور:

بادری:

مزدور:

مزدور:

بادری:

مزدور:

بادری:

مزدور:

میرا خیال ہے، آپ میرا مطلب سمجھتے ہیں، آپ ایک پامصل انسان ہیں۔

پادری : (پریشانی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے) اچھا! مسز کاررار، مجھے امید ہے آپ توری لو کے بچے دیکھنے ضرور آئیں گی۔

ماں : (تذہیب سے) میں دوپہر تک ضرور آؤں گی، آپ کے لئے شکریہ۔

پادری جاتا ہے۔ مزدور اور نوجوان ایک دوسرے کو دیکھ کر سراسیمہ ہیں
ماں اسے چھوڑنے جاتی ہے)

نوجوان : تم نے سنا؟ یہ ہمیشہ یہی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ اب بغیر بندوق کے کام نہیں چلے گا۔

مزدور : بندوق کہاں ہے! جلدی کرو۔

(دونوں جاتے ہیں، اور بڑے بکس کو دھکیل دیتے ہیں، اور اس کے نیچے زمین کھودتے ہیں)

نوجوان : وہ جلدی واپس آجائے گی۔

مزدور : ہم بندوق کھڑکی کے پاس رکھ دیں گے، بعد میں میں اسے دہلا لے جاؤں گا وہ جلدی سے بندوق نکالتے ہیں، ایک چھوٹا سا جھنڈا جو اس میں لپیٹا ہوا تھا وہ زمین پر گرتا ہے۔

نوجوان : یہ اس کا جھنڈا ہے، میرا خیال ہے خاموشی سے بیٹھ جاؤ، آخر ان کی جلدی کیا ہے!

مزدور : مجھے اس کی سخت ضرورت ہے۔

(دونوں بندوق کا معائنہ کرتے ہیں۔ نوجوان ملیشیا کی ٹوپی جیب سے نکالتا ہے اور فاتحانہ انداز میں اسے اوڑھ لیتا ہے)

مزدور : تمہارے پاس یہ کہاں سے آئی!

نوجوان : تالوار میں لی ہے (دروازے کی طرف چوری چوری دیکھتا ہے)

اسے دوبارہ سے جیب میں رکھ لیتا ہے)

(اندر آتے ہوئے) ہندوق واپس رکھ دے، کیا تو اس کے لئے آیا تھا!
ہاں، ہمیں اس کی ضرورت ہے، ہم جزلوں کو صرف ہاتھوں سے
نہیں روک سکتے۔

ما:

مزدور:

اور تم پادری سے سن چکے ہو کہ صورت حال کیا ہے!

نوجوان:

ما:

اگر تم ہندوق لینے کی غرض سے آیا ہے تو زیادہ انتظار مت کر اور
چلا جا، اگر تو نے پریشین کیا تو میں اپنے بچوں کو لے کر کہیں اور چلی جاؤں
گی۔

کیا تم چاہتی ہو کہ ہماری زمین دنیا کے نقشہ سے مٹ جائے، ہم اس
طرح سے زندہ رہیں کہ جیسے ایک ٹوٹی پلیٹ کہ جس میں پانی بھی نہیں
رکتا، ہمارے اوپر بمبار طیارے ہیں، تم بھاگ کر کہاں جاؤ گی، توپوں کے منہ
میں!

مزدور:

(وہ آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے ہندوق لے لیتی ہے)

پڑو، تجھے ہندوق نہیں مل سکتی ہے۔

ما:

ہاں، تجھے یہ دے دینی چاہئے، یہاں بیکار چھپی ہوئی پڑی ہے۔

نوجوان:

ما:

ہوڑے، تو خاموش رہ، تجھے کیا پتہ!

(مزدور خاموشی سے کرسی پر بیٹھ جاتا ہے اور سگریٹ سلگاتا ہے)

ٹریا، تیرا کوئی حق نہیں کہ تو کارلوس کی ہندوق قبضے میں رکھے۔

مزدور:

ما:

(ہندوق کو بکس میں رکھتے ہوئے) میرا حق ہے یا نہیں مگر میں یہ

جہیں نہیں دوں گی، میرے سامنے یہ تم نہیں لے سکتے، اور میرے مکان

میں میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے۔

مزدور:

میرے لئے یہ کوئی اہم نہیں کہ کیا چیز تیرے گھر سے تعلق رکھتی

ہے، تیرے بارے میں میرا جو خیال ہے وہ میں تیرے لڑکوں سے نہیں

کہوں گا، اور نہ اس پر بحث کروں گا کہ تیرا شوہر تیرے بارے میں کیا سوچتا

تھا، اس نے جنگ لڑی، اور تو محض اپنے لڑکوں کے ڈر سے اپنی عقل کھو

بیٹھی۔

اس کا مطلب کیا ہے؟
 اس کا مطلب ہے کہ میں بغیر ہندوق کے نہیں جاؤں گا اس بارے
 میں تجھے مکمل یقین ہو جانا چاہئے۔
 تو کیا تو مجھ مارے گا!
 میں یہ میں نہیں کروں گا میں جنرل فرانکو نہیں ہوں، میں مرل
 یان سے ہات کروں گا اور مجھے یقین ہے کہ میں ہندوق ضرور حاصل کر لوں
 گا۔

(جلدی سے) یان دلہس نہیں آئے گا۔
 مگر تو اسے خود بلانے لگی تھی۔
 میں نے اسے دلہس نہیں بلایا۔ پیڈرو میں نہیں چاہوں گی کہ وہ تم
 سے ملے۔

میرا بھی یہی خیال تھا، لیکن آخر میری بھی تو آواز ہے، میں پانی کے
 اندر جا کر اسے بلا سکتا ہوں اور میرا ایک جملہ کافی ہو گا، میں یان کو چلا
 ہوں وہ بزدل نہیں، تو اسے روک نہیں سکے گی۔

میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔
 (آہستہ سے) پیڈرو، میرے بچوں کو امن کے ساتھ رہنے دے میں تم
 سے کہے دیتی ہوں کہ اگر یہ گئے تو میں خودکشی کر لوں گی، میں جانتی ہوں
 کہ یہ ایک گناہ ہے اور اس کی پاداش میں میں ابدی اذیت میں مبتلا رہوں
 گی۔ مگر میں اور کچھ نہیں کر سکتی، جب کارلوس مرا ہے تو میں اسی وقت
 خودکشی کرنے والی تھی، میں جانتی ہوں کہ قصور میرا ہے مگر وہ خود بھی اپنی
 نئی اور بد مزاجی کی وجہ سے مشہور تھا، ہمارے لئے آسان نہیں کہ زندگی کا
 بوجھ اٹھا سکیں۔ لیکن اس کا حل ہندوق نہیں ہے، میں جنرلوں کی حالی نہیں
 اور مجھے الشوس ہے کہ مجھے اس کا یقین دلانا پڑ رہا ہے، لیکن اگر میں علیحدہ
 رہی اور جنگ میں شامل نہیں ہوئی، تو شاید وہ ہمیں معاف کر دیں، یہ بات
 آسانی سے سمجھ میں آنے والی ہے، میں اس جھنڈے کو دوبارہ دیکھنا نہیں

چاہتی؟ ہم پہلے ہی سے کافی بد قسمت ہیں۔

(وہ خاموش ہو جاتی ہے، چھوٹے جھنڈے کو اٹھاتی ہے اور اسے نکلے
 کٹڑے کر دیتی ہے۔ پھر ان کٹڑوں کو جمع کر کے جیب میں رکھ لیتی ہے)
 ٹریڈ کیا اچھا ہوتا کہ تو خود کشی کر لیتی۔

(کوئی دردناک کھٹکھٹاتا ہے) اور بوڑھی مسزیرز کالے کپڑوں میں اندر آتی
 ہے۔

(مزبور سے) یہ مسزیرز ہیں۔

(اور سے) کس قسم کے لوگ ہیں۔

ابھیے لوگ ہیں۔ ریڈیو والے، ان کی لڑکی پچھلے ہفتہ عمار پر ماری
 گئی۔

بوڑھی عورت: میں نے اس وقت تک انتظار کیا کہ پاری چلا جائے، میں
 آپ سے یہ کہنا چاہتی تھی کہ مجھے الموس ہے کہ میرے خاندان والوں نے
 آپ کو پریشان کیا (ہل خاموش رہتی ہے)

بوڑھی عورت: (بٹٹہ جاتی ہے) محترمہ کاردار، آپ اپنے بچوں کی وجہ سے
 ڈرتی ہیں۔ لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ ان دنوں میں بچوں کو پانا کس
 قدر دشوار ہے، میرے خود سات بچے ہوئے (وہ مزبور کی طرف مڑتی ہے
 کہ جس سے اس کا تعارف نہیں ہوا ہے) اور ان میں سے کوئی زیادہ نہیں
 باقی بچے، ان میں سے دو تو اسی وقت مر گئے تھے جب کہ 89 اور 99 کا قحط
 پڑا تھا، اندر دیا کے بارے میں مجھے کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہے! آخری مرتبہ
 اس نے رپو سے اگلا تھا جو لاطینی امریکہ میں ہے۔ ماریانا میڈرڈ میں ہے، ہم
 بوڑھے لوگ آخر عمر میں بس یہ چاہتے ہیں کہ کوئی ہماری تھوڑی بہت دیکھ
 بہل کرے۔

مل: مگر غور کرو تو جہاز سے پاس ہے۔

بوڑھی عورت: ہاں ہے 11

مل: (پریشانی سے) مخالف سمجھنے کا، میں آپ کو تکلیف پہنچانا نہیں چاہتی۔

نوجوان : (مزدور سے) وہ فرانکو کے ساتھ ہے۔

بوڑھی عورت : ہم قرنٹوں کے بارے میں اب کوئی بات نہیں کریں گے۔
(وقفہ کے بعد)

میرے خیال میں آپ میرے خاندان کے لوگوں کو اس وقت تک نہیں سمجھیں گے کہ جب تک آپ ان کے غم کو نہ جانیں کہ جس سے وہ ایئر کے مرنے کے بعد سے دوچار ہیں۔

ماں : ہمیں سب کو ایئر سے محبت تھی (مزدور سے) اس نے بیان کو پڑھا تھا۔

نوجوان : اور مجھے بھی۔

بوڑھی عورت : آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ دوسری جانب ہیں، مگر میں تو یہ جانتی ہوں کہ فرق امیر اور غریب میں ہے۔

ماں : میں نہیں چاہتی کہ میرے بچے فوجی بنیں، وہ فوج کئے جانے والے موٹی نہیں۔

بوڑھی عورت : سزا کارار میں ہمیشہ سے یہ کہتی ہوں کہ غریب لوگوں کے لئے زندہ رہنے کی کوئی ضمانت نہیں۔ ہم نے ایئر کی زندگی کی حفاظت کا کتا خیال کیا۔

ماں : مگر وہ زندہ رہ سکتی تھی۔

بوڑھی عورت : مگر کیسے!

ماں : تمہاری لڑکی جو استانی تھی اسے نہیں چاہئے تھا کہ ہندو اطفال اور جزیروں کے خلاف لڑتی۔

مزدور : جن کو مقدس باپ بھی مالی امداد دیتے ہیں۔

بوڑھی عورت : وہ کتنی تھی کہ وہ استانی رہنا چاہتی ہے۔

ماں : وہ ملاگا کہ اسکول میں نہیں رہ سکی کہ جہاں جزیل آتے اور جانے رہے۔

بوڑھی عورت : اس کے باپ نے سات سال تک تمہا کو نوشی رک کر دکا

اور ان تمام سوالوں میں اس کے بھائی بہنوں کو دودھ کا ایک قطرہ پینے کو نہیں ملا، یہ سب اس لئے کہ وہ استثنائی بن سکے اور پھر کیا ہوا! انیز کتنے گلی کہ وہ دو اور دو پانچ نہیں پڑھا سکتی اور نہ یہ کہ جنرل فرانکو خدا کی جانب سے بھیجا ہوا ہے۔

اگر یان میرے پاس آئے اور کہے کہ وہ جنرلوں کی حکومت میں مچھلیاں نہیں پکڑے گا تو میں اسے سیدھا کر دوں گی، کیا خیال ہے کہ اگر ہم جنرلوں کے خلاف پولیس گئے تو کیا ہمیں معاف کر دیا جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ اگر ہمارے پاس ہندوق ہو تو وہ ایسا کرنے کی جرات نہیں کریں گے۔

پھر وہی ہندوق!

اس وقت سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں میڈرو کی طرف رخ کرنا چاہئے یا اس بات کا موقع دینا چاہئے کہ جنرل مونلا پھاڑوں پر سے آئے اور حملہ کر دے! دو سال سے یہاں روشنی تھی، کمزور روشنی، اور اب پھر دوبارہ سے رات ہونے والی ہے، اب پھر استانیوں کو اس بات کی اجازت نہیں ہو گی کہ وہ دو اور دو کو چار کہیں، اگر انہوں نے بچوں کو صحیح بات بتا دی تو انہیں سخت سزا دی جائے گی، کیا تم نے اسے آج شام کتنے نہیں سنا کہ وہ ہمیں اس دنیا سے نیست و نابود کر دے گا۔

صرف انہیں جو ہتھیار اٹھائیں گے۔ مجھے مجبور مت کر کہ میں اور بولوں، میں تجھ سے اکیلی نہیں لڑ سکتی۔ جب آٹے کا تھیلا خالی ہوتا ہے تو اس وقت میں تمہارے چہرے پر ہتھکتی ہوں اور خود کو قصور وار ٹھہراتی ہوں۔۔۔ جب ہوائی جہاز بم برساتے ہیں تو میرے لڑکے مجھے ایسے دیکھتے ہیں، کہ جیسے انہیں میں نے بھیجا ہو۔ تم لوگ سمجھتے ہو کہ شاید میں پاگل ہوں، جب کہ میں کہتی ہوں کہ جنرل بھی آخر انسان ہیں شاید خراب انسان ہوں، مگر وہ تو نہیں تو نہیں کہ ان سے بات نہیں ہو سکتی ہو، مسز بریز آخر آپ میرے پاس کیوں آئیں! کیا آپ سمجھتی ہیں کہ آپ نے جو کچھ کیا

ہے میں اسے نہیں سمجھتی ہوں! تمہارے تو مرچکے ہیں، لب تم میرے والوں کو کیوں قطار میں کھڑا کرنا چاہتی ہو۔ میں تو پہلے ہی اپنا قرض چکا چکی ہوں۔

بوڑھی عورت : (کھڑے ہوتے ہوئے) میں آپ کو غصہ دلانا نہیں چاہتی تھی، ہم آپ کے شوہر کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتے ہیں، میں آپ سے معافی مانگتی ہوں کہ میرے گھر والوں نے آپ کو تنگ کیا۔ (چلتے ہوئے مزدور اور نوجوان کے سامنے سر ہلاتی ہے) وقفہ۔

میں : سب سے خراب بات تو یہ ہے کہ یہ اپنے محمدؐ کے بلوچو یہاں آئی، آدمی باتیں بہت کرتا ہے مگر ان پر عمل کم کرتا ہے ویسے میں انیز کے خلاف قطعی نہیں۔

مزدور : (غصہ سے) تو انیز کے خلاف ہے کیونکہ تو نے اس کی کوئی مدد نہیں کی کیا یہ خلاف ہوتا نہیں ہوا! تو کہتی ہے تو جزیروں کی حالی بھی نہیں یہ سب جھوٹ ہے تو ان کے خلاف ہماری مدد نہیں کر رہی، کیا یہ ان کا ساتھ دینا نہیں ہوا!

نرپا : تو غیر جانبدار نہیں رہ سکتی۔

نوجوان : (اچانک اس کے پاس جاتا ہے) میں! تجھے اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا (مزدور سے) اس نے بددوق بکس میں بند کر دی ہے تاکہ ہم اسے نہیں لے سکیں، میں یہ بددوق ہمیں دیدو۔

میں : ہوزے، اس سے منہ دھو رکھو۔

نوجوان : میں پیڈرو ماموں کے ساتھ جانا چاہتا ہوں، میں اس کا انتظار نہیں

کروں گا کہ کوئی ہمیں سوہ کی مار ڈالے، تو مجھے جنگ سے اس طرح نہیں روک سکتی جیسے کہ تو نے سگرٹ پینے سے روکا تھا، دیکھ فلپ! اور اندرا! دونوں لڑتے ہوئے مارے گئے ہیں میں نہیں چاہتا کہ پورا گاؤں مجھ پر پٹے میں جانتی ہوں، اور یہ بھی جانتی ہوں کہ پاؤلا بھی ہر قیمت پر مٹاؤ؟

میں :

ہالے کو تیار ہے۔

آخر یہ حلق کیا ہے!

یہ حلق نہیں ہے۔

اے لڑی لڑی اور کی او سے کہنا کہ وہ میرے چھوٹے چوٹے لے لے

پلے رو ہاؤں کو (وہ ہانا چاہتا ہے)

خچے یہاں رہتا ہو گا۔

نہیں میں ہاؤں گا' ویسے بھی خچے مجھ سے زیادہ بان کی ضرورت

ہے۔

میں بان کو کچھ نہیں کہہ سکتی کہ وہ میرے لئے چھایاں بکالے گیا ہوا

ہے مگر میں خچے نہیں چالے دوں گی (وہ اس کے پاس جا کر اس کے گلے

میں ماہی وال دیتی ہے) دب تو چاہے سگریٹ پی سکتا ہے' تو آپ کی سبھی

میں چھایاں بھی بکالے جا سکتا ہے' میں تم سے کچھ نہیں کہوں گی!

مجھے چالے دے۔

نہیں' خچے یہاں رہتا ہو گا۔

(پھڑکے ہوئے) نہیں' میں ہاؤں گا۔ ہاؤں جلدی کرو اور بندوبست

لے لو۔

اوہ

وہ تو جوان کے پھڑانے میں گرتی ہے' اور پھر لنگڑائی قدم رکھتی ہے۔

خچے کیا ہوا؟

خچے اس سے کیا کہ مجھے کیا ہوا! خچے تو ہانا ہے نا' تیری ماں لے

کاست قبول کر لی۔

(نچیدگی سے) میں نے کچھ نہیں کیا!

(اچھے بیروں کی مالش کرتے ہوئے) نہیں کچھ کیا' جا'

میں جیسے ہی کی مالش کروں اور اسے دھواؤں'

مگر تو تو ہانا چاہتا ہے' میرے گھر سے چلا جا' تو نے میرے بچے کو غصہ

دلایا کہ جس کی وجہ سے اس نے مجھے دھکا دیا۔

(فصہ سے) کیا میں نے تجھے دھکا دیا!

نوجوان:

میں: دقتیاز، تو آخر مجھ سے تندور کی آخری روٹی بھی کیوں نہیں چھین لے۔

تم دو ہو، مجھے اس اسٹول سے باندھ کر پٹے جاؤ۔

مزدور:

بکواس بند کر۔

میں:

یان بھی اگرچہ پاگل ہے۔ مگر وہ اپنی ماں کے خلاف طاقت بھی استعمال نہیں کرتا، اگر وہ آگیا تو تم دونوں کو پانی میں ڈبو دے گا۔

وہ اچانک اٹھ کھڑی ہوتی ہے کہ جیسے اسے کوئی خیال آیا ہو، اور کھڑکی کی

طرف دوڑتی ہے۔ وہ اپنا لنگڑاٹھ بھول جاتی ہے۔ نوجوان اس کے

طرف اشارہ کرتا ہے۔

نوجوان:

تیرا بھرا اچانک ٹھیک ہو گیا۔

میں:

(باہر دیکھتی ہے) خبر نہیں کیا ہوا! میں یان کے لپ کو جہا نہیں دیکھ

رہی۔

میں:

نہیں، واقعی لپ نہیں جل رہا ہے۔

(نوجوان کھڑکی کی طرف جاتا ہے اور باہر دیکھتا ہے)

نوجوان:

(مزدور سے) ہاں لپ نہیں ہے، میں جا کر دیکھتا ہوں۔

(وہ چلا جاتا ہے)

مزدور:

شاید وہ کشتی کو واپس لے آیا ہو۔

میں:

مگر مجھے لپ نظر نہیں آ رہا۔

مزدور:

اس کا کیا مطلب ہے!

میں:

میں جانتی ہوں کہ کیا ہوا ہے! وہ اس کے پاس گئی ہو گی۔

مزدور:

کون! وہ لڑکی، میرا خیال تو نہیں۔

میں:

یقیناً اور اس نے اسے واپس بلایا ہو گا (جذبات میں) یہ ایک

تھا جو اس نے بنایا تھا۔ وہ ایک کے بعد ایک کو یہاں بھیجتی رہی،

اس سے بے خبر ہو جاؤں، یہ سب قاتل ہیں، سب کے سب

مزدور : (غصہ اور مذاق میں) مگر پادری کو انہوں نے نہیں بھیجا ہو گا۔
 ا : ان کو اس وقت تک چین نہیں آئے گا کہ جب تک وہ سب کو محاذ پر بھیج نہیں دیں گے۔

مزدور : کیا تیرا مطلب ہے وہ محاذ پر چلا گیا ہے۔
 ا : وہ اس کے قاتل ہیں، لیکن وہ بھی ان سے بہتر نہیں، وہ بھی رات کے اندھیرے میں چلا گیا اور شاید میں اب اسے دوبارہ نہیں دیکھ سکوں۔
 مزدور : ٹیویسٹا میں تجھے بالکل نہیں سمجھ سکا، کیا تو نہیں سمجھتی کہ تو اس جنگ سے روک کر اس کے ساتھ ظلم کر رہی ہے۔ اس پر وہ تیرا شکر گزار کیسے ہو گا۔

ا : (ایسی حالت میں کہ جیسے وہ موجود نہیں) میں نے اسے اپنی وجہ سے نہیں روکا۔

مزدور : ہماری وجہ سے مت لڑو، مطلب یہ ہے کہ جنزلوں سے جنگ مت کرو۔

ا : اگر اس نے ایسا کیا ہے اور میری مرضی کے بغیر ملیشا میں شامل ہو گیا ہے تو اس پر خدا کا تہر آئے، اس پر بمبار طیارے بم برسا کریں، ٹینک اس کو کھینٹے ہوئے چلے جائیں اور اس کا کوئی نشان بھی باقی نہیں رہے گا کہ پھر کوئی غریب جنزلوں کے خلاف لڑنے کی جرأت نہیں کرے۔ میں نے اسے اس لئے پیدا نہیں کیا تھا کہ وہ مشین گن کے پیچھے بیٹھا ہو کسی دوسرے انسان کی جان لے، دنیا میں اگر ناانصافی ہے تو میں نے اس نہیں بنایا تھا کہ وہ اس کے خلاف ہو۔ میں اس پر اپنا دروازہ کبھی نہیں کھولوں گی، اگر وہ واپس آئے اور کہے کہ وہ جنزلوں کو شکست دے کر آرہا ہے تو میں دروازے کے پیچھے ہی سے کہوں گی کہ میں کسی ایسے شخص کو کہ جس پر خون کے دھبوں کے نشانات ہوں اندر میں داخل نہیں ہونے دوں گی۔ میں اسے اپنے گھر سے دور بھاگا دوں گی، میں ایسا ضرور کیوں گی۔ میرے لئے لوگ پہلے ہی ایک کو لاپتے ہیں۔ ہماری قسمت اچھی نہیں، یہ بات ہمیں

جزلوں کی جیت سے پہلے سمجھ لیتا چاہئے۔ جو تلوار کو ہاتھ میں لیتا ہے وہ تلوار ہی کے ذریعہ مارا جاتا ہے۔ (دروازے کے سامنے آوازیں آتی ہیں۔ دروازہ کھلتا ہے اور تین عورتیں اندر آتیں ہیں جن کے ہاتھ سینوں پر رکھے ہیں وہ دیوار کے سہارے کھڑی ہو جاتی ہے۔ کھلے دروازے سے وہ مایہ گیر خون میں بھرے بادبان میں مرے ہوئے یان کو لاتے ہیں۔ اس کے پیچھے مردہ حالت میں نوجوان آتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھائی کی ٹوپی ہے مایہ گیر مردہ کو زمین پر رکھ دیتے ہیں۔ ایک کے ہاتھ میں یان کا لپ ہے اس دوران میں ماں سکتے کے عالم میں بیٹھی رہتی ہے۔ عورتیں دعائیں مانگ رہی ہیں مایہ گیر آہستہ سے مزدور کو بتا رہے ہیں کہ کیا ہوا)

پہلا مایہ گیر : ان کی مچھلیاں پکڑنے والی کشتی کی مشین گمن سے ہوا وہ اس کے پاس سے اس پر گولیاں برساتے چلے گئے۔

ماں : نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک غلطی ہے، وہ تو محض مچھلیاں پکڑنے گیا تھا۔

(مایہ گیر خاموش ہو جاتا ہے، ماں تڑھال ہو کر گر جاتی ہے مزدور اسے اٹھاتا ہے)

مزدور : اسے تکلیف نہیں پہنچنی چاہئے۔

• (ماں مردے پر جھک جاتی ہے)

ماں : یان

(عورتوں کی دعاؤں کی آواز، دور سے توپوں کی گھن گرج سنائی دیتی ہے)

ماں : کیا تم اسے بڑے بکس پر لٹا سکتے ہو!

(مایہ گیر اور مزدور لاش کو اٹھا کر بکس تک لے جاتے ہیں۔ بادبان وہیں پڑنا رہتا ہے۔ دعائیں مانگتے والی عورتوں کی آواز اونچی ہو جاتی ہے ماں نوجوان کا ہاتھ پکڑ کر لاش تک جاتی ہے)

مزدور : (مایہ گیر سے) کیا یہ اکیلا تھا! اور کوئی دوسری کشتی وہاں نہیں تھی۔

پہلا مایہ گیر : نہیں، (دوسرے مایہ گیر کی طرف اشارہ کر کے) لیکن یہ ساحل

پڑھا۔
 وہ مرا بایکیر: انہوں نے اس سے کچھ نہیں پوچھا اور گولیاں برساتے چلے
 مجھے، اس کالپ کشتی میں گر گیا۔

مگر انہیں دیکھنا تو چاہئے تھا کہ یہ محض ایک ماہی گیر ہے۔
 ہاں دیکھنا تو چاہئے تھا۔

وہ مرا بایکیر: اور اس نے بھی ان سے کچھ نہیں کہا!

وہ مرا بایکیر: کاش میں نے سنا ہوتا۔

(ماں اس ٹوپی کو دیکھتی ہے جو نو جوان ہاتھ میں لایا تھا)

یہ اس ٹوپی کا قصور ہے۔

ماں: وہ کیسے!

یہ بھدی ٹوپی ہے اور ایسی کوئی شریف آدمی نہیں پہنتا۔

مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ جو بھی بھدی ٹوپی پہنے اس جان

سے مار دیں۔

کیوں نہیں؟ وہ کوئی انسان ہیں۔ وہ کوڑھ ہیں اور کوڑھ ختم ہونا چاہئے

(دعائیں مانگنے والی عورتوں سے مہذب انداز میں) میں آپ سے جانے کی

درخواست کرتی ہوں، میرا بھائی میرے پاس ہے۔ میں کچھ کام کرنا چاہتی

ہوں۔

(لوگ چلے جاتے ہیں)

کشتی کو ہم نے باندھ دیا ہے۔

(جب وہ اکیلے رہ جاتے ہیں تو ماں بادیان کو اٹھاتی ہے اور اس کی طرف

نظریں جماتی ہے)

میں نے اس سے پہلے ایک جھنڈا پھاڑ دیا تھا، تم نے دوبارہ دوسرا جھنڈا

مجھے دے دیا۔

(وہ اسے اٹھاتی ہے اور لاش پر ڈال دیتی ہے)

اس عرصہ میں دور سے آتی ہوئی توپوں کی آواز اور قریب آجاتی ہے۔

(سکتے کے عالم میں) یہ کیا ہے!

نوجوان:

ملاؤ ٹوٹ گیا ہے، مجھے فوراً جانا چاہئے۔

مزدور:

(مزدور کی طرف جاتے ہوئے) ہندوق ساتھ لیتے جانا۔ ہوزے، ہندوق
سے تیار ہو جا۔ روٹی بھی تیار ہو گئی ہے۔

ہاں:

۔ اس دوران میں کہ جب مزدور ہندوق نکالتا ہے، وہ مزدور سے روٹی نکالتی
ہے اور اس کو کپڑے میں لپیٹی ہے۔ پھر وہ ان کی طرف جاتی ہے اور
مزدور کے ہاتھ سے ہندوق لے کر اسے مضبوطی سے اٹھاتی ہے)

کیا تو بھی ساتھ آنا چاہتی ہے!

نوجوان:

ہاں، یان کی خاطر۔

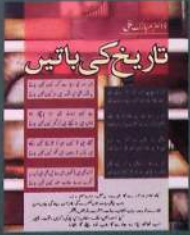
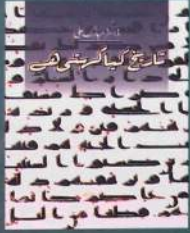
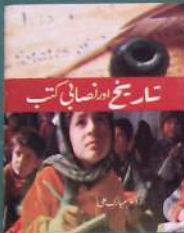
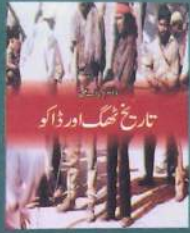
ہاں:

(تینوں باہر چلے جاتے ہیں)



ادب کا کلام یہ ہے کہ وہ لوگوں میں سچ اور محبت، حق و باطل، نیکی و شرابغی اور
 بُرائی، اور انصاف و ظلم کے درمیان فرق کو واضح کرے اور لوگوں میں یہ شعور پیدا کرے کہ
 وہ ان کے درمیان اس فرق کو سمجھ سکیں۔ ایک مرتبہ جب لوگوں میں یہ شعور آجائے تو پھر
 ان میں اس جذبہ کو پیدا کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ سچ، حق اور انصاف کی خاطر ہمدرد
 کریں، جنگ لڑیں، اور قربانیاں دیں۔ ایسا جذبہ زندگی کا مقصد متعین کرتا ہے۔ خاص طور
 سے ایک ایسے معاشرے میں جہاں صدیوں کے ظلم و ستم نے معاشرے کو بے حس بنا دیا
 ہو۔ اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کی ہمت نہیں رہی ہو، ایک ایسے معاشرے میں جرات و
 ہمت پیدا کرنا ادب کا سب سے اہم کلام ہے۔

یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب ادب کی جڑیں معاشرے میں بچ ست ہوں، وہ لوگوں
 کے دکھوں اور تکلیفوں کو محسوس کرتا ہو اور اس کے دل میں مظلوم و فریب عوام کے لئے
 مہر کی محبت ہو، اسی وقت اس کے قلم سے ان دکھوں کا اظہار ہو گا۔ ایسا وہ ادب ہوتا ہے
 کہ جس سے ہر فحشت حکومت خوفزدہ رہتی ہے اور اس ادب کو ختم کرنے اور کچلنے کی خاطر
 قزاقوں پر پابندیاں لگائی جاتی ہیں، ادیبوں کو ملک بدر کیا جاتا ہے اور قید و بند و انتہوں کے
 ذریعہ اس کے فردغ کو روکا جاتا ہے لیکن اگر ادیب اور ادب کا رشتہ عوام سے ہے تو پھر یہ
 ہر رکاوٹ کو توڑ کر ان تک پہنچ جاتا ہے اور ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر کر انہیں زندہ
 رہنے کا حوصلہ دیتا ہے۔



تاریخ پبلیکیشنز

فکشن ہاؤس

لاہور • حیدرآباد • کراچی

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

ISBN 978-969-914-647-3



9 789699 146473

ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی علم کو اپنے عمل کے راست میں رکاوٹ بنو۔
 ہمیں اپنی دوسری اچھائیوں کے بارے میں مجھ سے زیادہ علم ہے۔
 تم ہوشیار شخص ہو۔

بادشاہ :

تمام خوشہدلوں کو انعام ملنا چاہئے۔ مگر میں تمہیں اس وقت کچھ نہیں
 دوں گا۔

فقیر :

مگر میں ان تمام خدمات کے عوض جو میرے سلسلہ میں کی جاتی ہیں
 انعام دیتا ہوں۔

بادشاہ :

مجھے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن تمہاری باتوں سے ظاہر ہوتا ہے
 کہ تم میں ایک عام آدمی کی روح ہے۔

فقیر :

میرے دل میں کوئی برائی نہیں، کیا یہ بھی عام بات ہے؟

بادشاہ :

ہاں، کیونکہ تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

فقیر :

میں تمہیں زمین دوز قید خانہ میں پھنکوا دوں گا۔

بادشاہ :

کیا وہاں ٹھنڈ ہوگی؟

فقیر :

وہاں سورج داخل نہیں ہو سکتا ہے۔

بادشاہ :

مگر سورج کہاں ہے؟ تمہاری یادداشت بڑی کمزور ہے۔

فقیر :

میں تمہیں قتل کرا سکتا ہوں۔

بادشاہ :

پھر میرے سر پر بارش نہیں ہوگی۔ میرے کپڑے بھاگ جائیں گے
 میرا بیٹ پر سکون ہو جائے گا، اور مجھے وہ سکون ملے گا کہ جس کی میں
 خواہش کرتا ہوں۔

فقیر :

(ایک شخص بھاگتا ہوا آتا ہے اور آہستہ سے بادشاہ کے کچھ کہتا ہے)
 ان سے کہو کہ میں ابھی آتا ہوں (وہ شخص باہر چلا جاتا ہے) میں

بادشاہ :

تمہارے ساتھ ان میں سے کوئی بات نہیں کروں گا، مگر میں یہ ضرور سوچوں
 گا کہ آخر تمہارے ساتھ کیا کیا جائے؟

فقیر :

ایسا کسی اور سے مت کہنا۔ تمہارے اعمال کو دیکھ کر نتائج نکالے
 جائیں گے۔

برجست۔

اچھا۔

میں یہاں صرف ایک دن کے لئے ہوں۔

آپ کہاں سے آئے ہیں؟

برلن سے۔

اچھا! اور آپ فلکیات کا شعبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔

جی ہاں! آپ کی مہربانی ہوگی۔

جو آج بند ہے۔

جی ہاں، مگر یہ آخر کیوں ممکن نہیں، مجھے صرف ایک چوکیدار کی ضرورت ہوگی جو میرے ساتھ رہے۔ غیر معمولی صورت حال میں تو یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ اور یہ میوزیم صرف سیاحوں کے لئے ہی نہیں بلکہ لوگوں کے لئے ہے، خاص طور سے وہ جو کسی اپنے کام کے مواد کے لئے یہاں آتے ہیں۔

مگر آپ یہ چیزیں آخر برلن میں کیوں نہیں دیکھ لیتے۔

میرا خیال ہے کہ یہاں پر کچھ چیزیں اچھی ہیں۔

کسی اور جگہ پر شاید یہاں سے بھی زیادہ اچھی ہوں۔

واقعی۔

میں جو کہہ رہا ہوں۔

کیا میں یہاں سے باہر جاسکتا ہوں؟

کیا آپ پڑھ نہیں سکتے ہیں؟

کیوں نہیں۔

کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ سامنے ”باہر جانے کا راستہ“ لکھا ہے۔

کیا آپ چوکیدار ہیں۔

جی ہاں!

